بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی

دروس الحدیث

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

بانی

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دینؒ، ایم اے (علوم اسلامیہ)

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی

دروس الحدیث

افادات

مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ

بانی

جامعہ نُصرۃُ العُلُوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دینؒ، ایم اے (علومِ اسلامیہ)

ناشر

ادارہ نشر واشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دروس الحدیث

(جلد اوّل)

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ نصرۃ العلوم ۔ گوجرانوالہ

○

مُرتّب

الحاج لعل دین ایم ۔ اے علوم اسلامیہ

○

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج ۔ گوجرانوالہ

طبع دوم

نام کتاب .... دروس الحدیث (جلداول)

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی ؒ بانی جامعہ نصرۃ العلوم

مرتب .... الحاج لعل دین ؒ ایم اے

مطبع .... طفیل آرٹ پریس۔ لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (500)

کتابت .... سید عصمت اللہ بخاری موضع کھبیکے

ناشر .... ادارہ نشرواشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت ....

تاریخ طبع دوم .... جولائی 2014ء

ملنے کا پتہ

(۱) ادارہ نشرواشاعت

جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ

فہرست مضامین

دروس الحدیث جلد اوّل

اِشاعتِ جدید

حَامِدًا و مُصَلیًا

بحمد اللہ تعالیٰ "دروس الحدیث" طبع جدید ترمیم و اِصلاح کے ساتھ صاحبِ دروس حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم اور اجازت سے ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرتُ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ حضرت مدظلہ نے "معالم العرفان فی دُروس القرآن" اور خُطباتِ سواتی وغیرہ کتب بھی بشرطِ اصلاح شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے جن پر کام جاری ہے اور انہیں تصحیح اغلاط اور ضروری اضافہ کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ

تمام احباب کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت صُوفی صاحب مدظلہ کی صحت و عافیت کے لیے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں صحتِ کاملہ و عاجلہ سے نوازیں اور ان کُتب کی اشاعت میں جو مشکلات حائل ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دُور فرمائے۔ آمین

احقر محمد فیاض خان سواتی
مہتمم مدرسہ نصرت العلوم۔ گوجرانوالہ

۸ رجب ۱۴۲۵ھ

پیش لفظ

از حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب مدظلہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

احقر نے ۱۹۵۲ء ماہ جولائی میں جامع مسجد نور میں بعد نماز صبح درس قرآن کریم شروع کیا کچھ عرصہ کے بعد طریق یہ طے کیا کہ ہفتہ، اتوار، سوموار، منگل ہفتہ میں چار دن قرآن کریم کا درس اور بدھ، جمعرات دو دن حدیث شریف کا درس شروع کیا۔ درس قرآن و حدیث کی غرض وغایت اور مقصد عوام مسلمانوں کی اصلاح ہے تاکہ جو لوگ دینی ضروری مسائل سے ناواقف ہیں انہیں وہ ضروری مسائل جو اعتقادات اور عبادات سے تعلق رکھتے ہیں وہ انہیں معلوم ہوسکیں اور سب سے اہم ترین بات یہ ہے کہ عوام الناس کو اللہ کی کتاب قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واقفیت حاصل ہو۔ عوام کی تربیت اور ذہنی نشوونما اور بالیدگی حاصل کرنے کا یہ بہتر طریق ہے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے یہ سلسلہ بہت مفید ثابت ہوا بہت سے حضرات جو ان دروس کو باقاعدگی سے سنتے رہے انہیں احکام اسلام جو حلال وحرام سے تعلق رکھتے ہیں یا ایمان کی تفصیل وتشریح سے متعلق ہیں معلوم ہوئے۔ بہت سے حضرات جو بداعتقادی اور شرک وبدعت اور منکرات میں پھنسے ہوئے تھے صحیح عقیدہ اور ایمان کا اخلاص جو ہر سلیم الفطرت اور عقل مند انسان کا

خاص مقصد اور منتہائے مقصود ہے وہ انہیں حاصل ہوا۔ اور علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اپنا تعلق قائم کرنا اور اس کو استوار رکھنا سب باتوں سے ضروری اور اہم بات ہے سب سے پہلے مشارق الانوار امام صاغانی رح کی کتاب کو درس کے لیے منتخب کیا گیا اس میں چونکہ صرف قولی روایات جمع کی گئی ہیں لہذا پہلے اس کا درس دیا پھر بخاری شریف اور اس کے بعد مسلم شریف پھر ابن ماجہ شریف اور اس کے بعد ترمذی شریف پھر نسائی شریف اور پھر ابو داؤد شریف اور اس کے بعد امام منذری رح کی کتاب "الترغیب والترہیب" کا درس دیا اس کے بعد موطا امام مالک رح بروایت یحیٰی مصمودی اندلسی رح جس کی شرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی مصفٰی فارسی و مسوی عربی میں کی ہے اس کے بعد پھر مسند احمد رح شریف کا درس شروع کیا جب مسند احمد جلد اول کا درس تقریباً مکمل ہو گیا۔ تو پھر احباب نے حدیث کے دروس بھی قرآن کریم کے دروس کی طرح ٹیپ کرنے شروع کیے۔ اگر مسند کی پہلی جلد کے دروس بھی آجاتے تو فائدہ کی امید بہت زیادہ تھی کیونکہ اس حصہ میں حضرات خلفائے راشدین رض اور عشرہ مبشرہ کی احادیث ہیں لیکن ہر امر اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت پر موقوف ہے اب جو حصہ ٹیپ میں آگیا ہے عوام کے فائدہ کے لیے احباب نے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے اللہ کرے کہ یہ دروس بھی قرآن کریم کے دروس کی طرح عوام الناس کے لیے فائدہ مند ہوں۔ صرف اس خیال سے۔ قدرے اطمینان ہوتا ہے کہ ان دروس کے فہم میں بھی عوام گنجلک محسوس نہ کریں گے بالکل رواں دواں آسان اور عام فہم زبان میں ہیں اور ان میں احادیث کا مفہوم و مطلب واضح کیا گیا ہے زیادہ دقیق اور گہری عمیق بحثیں ان میں نہیں ہیں اور اس کے علاوہ سند پر بھی کلام نہیں کیا گیا کہ یہ صرف اہل علم اور طلباء کرام کے لیے ہی مفید ہو سکتا ہے۔ عوام الناس اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ زیادہ اختلافی مسائل سے بھی تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ عوام اس سے بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو آسان طریقہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ لفظی معنیٰ کو بھی زیادہ دخیل نہیں کیا گیا بلکہ حضور علیہ السلام کے مبارک ارشادات کو سہل ترین الفاظ اور قابل فہم عبارت میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے بعض مقامات پر ضروری مسائل کی وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ قارئین کرام اس سے

فائدہ اٹھا سکیں اور اپنی پیش آمدہ مشکلات اور ان کے حل کو سمجھ سکیں بغیر اس کے کہ ان کے اذہان پر بوجھ پڑے۔ درس کا مقصد بھی چونکہ نصیحت پذیری اور عبرت آموزی ہوتی ہے اور اپنی ذہنی قلبی، دماغی، عملی اور اخلاقی اصلاح ہوتی ہے۔

دروس الحدیث کی اشاعت واضح رہے کہ دروس الحدیث کو بھی ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام ہمارے رفیق حاجی لال دین صاحب (ایم اے علوم اسلامیہ) نے انجام دیا ہے اور اس کے ساتھ مفید اور آسان عنوانات کا بھی انہوں نے اضافہ کیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً فی الدارین۔

احقر عبدالحمید خان سواتی

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

امام احمدؒ اور مسند احمد

از احقر محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ اما بعد

امام احمدؒ آپکا نام احمد اور کنیت ابو عبد اللہ ہے سلسلہ نسب یوں ہے احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی آپ قبیلہ شیبان سے تعلق رکھتے ہیں اور خالص عربی النسل ہیں۔ آپ کا نسب حضرت ابراہیمؑ تک پہنچتا ہے آپکی والدہ مرو سے بغداد آئیں تو اس وقت امام احمدؒ ابھی شکم مادر میں ہی تھے اور بغداد میں ہی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے تین سال کی عمر میں ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا آپ کے والد سپاہی تھے آپ نے بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا اور زبان کی تعلیم حاصل کی اور جب آپ نے بغداد میں تحصیل حدیث کا آغاز کیا تو سب سے پہلے امام قاضی ابو یوسفؒ الحنفی المتوفی ۱۸۲ھ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں لکھیں پھر چار سال تک بغداد میں امام الحدیث ہشیم بن بشیر بن ابو حازم المتوفی ۱۸۳ھ سے اور دیگر محدثین سے استفادہ کیا بغداد سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر بھی کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔ ۱۸۷ھ میں حجاز مقدس کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ سے بھی ہوئی امام شافعیؒ حدیث کے صحت اور سقم کے بارے میں اکثر ان پر اعتماد کرتے تھے حافظ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں امام احمدؒ کے مجتہد اور فقیہہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر ان پر حدیث کا رنگ غالب تھا

اور آپ کا قوت حافظہ اس قدر مضبوط تھا کہ آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں امام شافعیؒ نے بغداد سے جاتے ہوئے فرمایا کہ میں بغداد کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے نہ کوئی فقیہہ امام احمدؒ کو امام شافعیؒ سے مؤطا کا سماع بھی حاصل ہے حافظ ابن جوزیؒ المتوفی ۵۹۷ھ نے آپ کے شیوخ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے جن میں امام ابو یوسف حنفیؒ ہشیم بن بشیرؒ وکیعؒ یحیٰی بن سعید القطانؒ، سفیان بن عینیہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ ہیں حافظ ذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں کہ آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ امام مسلمؒ المتوفی ۲۶۱ھ امام ابوداؤدؒ المتوفی ۲۷۵ھ ابو زرعہؒ مطینؒ اور عبداللہؒ اور ایک بہت بڑی خلقت آپ کے تلامذہ میں شمار ہے جس میں بڑے بڑے ائمہ فن داخل ہیں آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں جن کا مسلک اس وقت دنیا کے ہر کونے میں پھیلا ہوا ہے ۱۔ امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ ائمہ اربعہ میں سے سب سے بڑے ہیں اور تابعی ہیں۔ آٹھ صحابہ کرام کو دیکھنے کا شرف آپ کو حاصل ہے جو کہ دیگر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ آپ کا مسلک ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ پھیلا ہے۔ ۲۔ امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ھ ۳۔ امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ ۴۔ یہی امام احمد بن حنبلؒ ہیں آپ کی زندگی زہد و توکل میں یکتائے روزگار تھی آپ نے کبھی سلاطین زمانہ اور خلفاء وقت کا عطیہ قبول نہیں فرمایا۔ مامون، معتصم اور واثق کا دور انہوں نے پایا اور یہ ادوار ان کے لیے سراسر آزمائش کے تھے متوکل کا دور بھی اس حیثیت سے آزمائش کا تھا کہ وہ ان کا بے حد عقیدتمند تھا اور قدردان بھی تھا چنانچہ امام احمدؒ نے متوکل کے حکم سے چند روز اُسکے لشکر میں قیام فرمایا اس عرصہ میں وہ شاہی مہمان تھے روزانہ پر تکلف کھانا آتا جس کی قیمت کا اندازہ ایک سو بیس درہم روزانہ تھا لیکن انہوں نے اس کھانے کو ایک روز بھی چکھا تک نہیں وہ مسلسل روزہ رکھتے رہے آٹھ دن امام صاحب نے روزہ پر روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ بے انتہا ضعیف ہو گئے اگر جلدی ان کو رخصت نہ مل جاتی تو زندگی ان کے لیے مشکل تھی۔ آپ نے چالیس سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا ابتدا ہی سے ان کے درس میں سامعین و طالبین کا اژدحام ہوتا تھا ان کے درس کے سامعین

کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی جن میں سے پانچ پانچ سو تو صرف لکھنے والے ہی ہوتے تھے۔ امام احمدؒ نے ۷۷ سال عمر پائی ۹ روز بیمار رہے آپ کے پیشاب میں خون آنے لگا تھا ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو آپ اس دارِ فانی سے رحلت فرما کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے آپ کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں آپ نے اپنی زندگی میں نہایت تکالیف برداشت کیں اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جس طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانہ میں جابر حکمرانوں کے سامنے عہدہ قضا کے قبول کرنے سے انکار کی پاداش میں نہایت اذیتیں برداشت کیں تھیں قید و بند اور تشدد برداشت کیا تھا کوڑے کھائے تھے زبردستی زہر پلایا گیا تھا حتیٰ کہ آپکا جنازہ بھی جیل سے نکلا تھا اسی طرح امام احمدؒ نے بھی جب معتزلہ نے عقیدۂ خلق قرآن کو کفر و ایمان کا معیار بنا دیا اتفاقاً مذہب معتزلہ کو حکومت وقت کی سرپرستی بھی حاصل تھی جس کی بناء پر امام احمد کو قید و بند میں ڈال کر انہیں اپنے نظریہ سے ہٹانے کی کوشش کی گئی کوڑے لگائے گئے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ المتوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امام احمدؒ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی کو لگتا تو وہ بھی چیخ مار کر بھاگ جاتا مگر امام صاحب کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور امت اسلامیہ ایک بہت بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہو گئی

امام احمدؒ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

تصنیفات ۱۔ کتاب الزہد ۲۔ کتاب الناسخ والمنسوخ ۳۔ کتاب المنسک الکبیر ۴۔ کتاب المنسک الصغیر ۵۔ کتاب حدیث شعبہؒ ۶۔ کتاب فضائل الصحابہؓ ۷۔ مناقب صدیق اکبرؓ و حسنینؓ ۸۔ کتاب الاشربہ ۹۔ تاریخ ۱۰۔ تفسیر ۱۱۔ مسند ۱۲۔ اور کتاب الصلوٰۃ۔ امام احمدؒ سولہ سال کی عمر سے علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوتے اسی وقت سے روایات جمع کرنے کا آغاز کر دیا گویا کہ ۱۸۰ھ سے تصنیف کا آغاز کیا اور تا آخیر زندگی تک اس میں مشغول رہے اس کی روایات کو متفرق اوراق میں جمع کرتے رہے یہاں تک کہ جب موت کا وقت قریب ہوا تو اس مسودے کو اسی حالت میں اپنے عزیزوں کو سنایا آپ کے برادر زادہ حنبل بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ چچا نے مجھے اور اپنے دونوں صاحبزادوں صالح اور عبداللہ کو جمع

کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی ہمارے سوا اور کسی نے اس کتاب کو مکمل نہیں سنا ہے پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے سات لاکھ ستر ہزار احادیث میں سے چھانٹ کر جمع کیا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر وہ روایت اس میں مل گئی تو فبہا ورنہ حجت نہیں یاد رہے کہ مسند میں کسی حدیث کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ امام احمدؒ کا اس پر عمل بھی ہو امام احمدؒ کا یہ کہنا کہ اگر کوئی حدیث مسند میں موجود نہ ہو تو وہ حجت نہیں یہ بات قابل غور ہے کیونکہ احادیث صحیحہ کی ایک بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے امام ابن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ فرماتے ہیں کہ تقریباً دو سو صحابہؓ کی روایات اس مسند میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں۔ جن سے صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی مراد وہ احادیث ہیں جو تواتر یا شہرت تک نہ پہنچی ہوں ورنہ بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ ایسی ہیں جو ان کی مسند میں موجود نہیں۔ امام احمدؒ اپنی زندگی میں مسند کی ترتیب و تبویب نہیں کر سکے تھے یہ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ کی ترتیب ہے اس مسند میں نو سو ستاسی صحابہؓ کی روایات ہیں روایات کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے اور عبداللہ کی زوائد کا شمار کر کے پچاس ہزار تعداد بتائی گئی ہے اس مسند میں کسی راوی کی روایت درج ہونے کے بعد اگر راوی یا روایت کا غیر معتبر ہونا معلوم ہوتا تو امام احمدؒ اس کو چھانٹ دیتے تھے تادم زیست مسودہ میں حذف و ترمیم فرماتے رہتے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ المتوفی ۱۱۷۶ھ نے مسند کو طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے۔ اس مسند میں تقریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں اور اس مسند کے علاوہ حدیث کا اتنا بڑا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے اور یہ مسند دیگر مسانید سے زیادہ صحیح ہے حافظ شمس الدین جزریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث غالباً ایسی نہ ہو کہ جس کی اصل اس مسند میں موجود نہ ہو۔

دروس الحدیث

زیر نظر کتاب دروس الحدیث کی پہلی جلد ہے۔ والد محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید ظلہ صاحب سواتی مدظلہ نے جب ۱۹۵۲ء میں گوجرانوالہ کے اندر مدرسہ نصرۃ العلوم واقع جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی تو اس وقت سے ہی ان کا معمول

یہ تھا کہ ہفتہ میں چار دن قرآن کریم کا درس دیتے تھے اور دو دن حدیث شریف کا درس ہوتا تھا تو اس لحاظ سے اب تک تقریباً چھ مرتبہ قرآن کریم کا درس مکمل ہو چکا ہے جس کو پانچویں مرتبہ کیسٹ کیا گیا تھا اور ۱۹۸۱ء میں اس کی اشاعت کا آغاز کیا گیا تھا جو کہ الحمد للہ بیس ۲۰ جلدوں میں بنام تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن شائع ہو چکی ہے ۔ اسی طرح حدیث شریف میں مشارق الانوار بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف، الترغیب والترہیب للمنذری اور موطا امام مالک ایک ایک مرتبہ انکا درس مکمل دیا گیا تھا۔ جب کہ مسند احمد کا درس چل رہا تھا تو ساتھیوں نے اسے کیسٹ کرنا شروع کیا اور کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا دشوار گذار کام الحاج لعل دین صاحب نے شروع کر دیا ہے قرآن کریم کی تفسیر کی طرح یہ حدیث کا درس بھی انتہائی آسان اور دلنشین ہے اور عوام الناس کے اذہان کے مطابق ہے اس میں دقیق علمی ابحاث نہیں کی گئیں بلکہ عام فہم انداز میں اسے بیان کیا گیا ہے اور یہ دروس مسند احمد کی احادیث کی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ منتخب احادیث سے ہیں ہر حدیث کے ساتھ جلد نمبر اور صفحہ نمبر کا حوالہ بھی لگا دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اصل کتاب سے تلاش کرنا چاہے تو اسے دشواری کا سامنا نہ ہو اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف گجراتی اور محمد فیاض ندیم کشمیری نے حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت نصیب فرمائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سید الانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

از احقر محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
۱۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء

محبوب چیز کا صدقہ

عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ کَانَ اَبُوْ طَلْحَۃَ اَکْثَرَ اَنْصَارِیٍّ بِالْمَدِیْنَۃِ مَالًا وَ کَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِہٖ اِلَیْہِ بِئْرُ حَاءَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)

حضرت اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے مالدار آدمی تھے یعنی بہت کنووں اور باغات کے مالک تھے اور وہ اپنے اموال میں سے بئرحاء کو بہت پسند کرتے تھے۔ یہ کنواں حضرت ابوطلحہؓ کے باغ میں تھا جس کا پانی میٹھا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لاتے اور اس کنویں کا پانی نوش فرماتے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران - ۹۲)

یعنی تم اعلیٰ درجے کی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو، تو حضرت ابوطلحہؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! اللہ نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ تم اس وقت تک اعلیٰ درجے کی نیکی کو نہیں پا سکتے۔ جب تک اپنی محبوب اشیاء کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، تو حضور! وَاِنَّ اَحَبَّ اَمْوَالِیْ اِلَیَّ بِئْرُ حَاءَ مجھے میرے مالوں میں سے بئرحاء بہت پسند ہے۔ وَ اِنَّہَا صَدَقَۃٌ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لہٰذا میں اسے اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔ وَ اَرْجُوْ بِرَّہَا وَ ذُخْرَہَا عِنْدَ اللّٰہِ اور میں اس کے بدلے میں اللہ کے ہاں نیکی اور ذخیرہ آخرت کی امید رکھتا ہوں۔ لہٰذا حضورؐ! آپ اس کنویں کو جہاں چاہیں

رکھ دیں یعنی بطور صدقہ جس کو چاہیں عطاء کردیں۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا بخ بخ واہ واہ، شاباش۔ گویا آپؐ نے حضرت ابوطلحہؓ کے اس فیصلہ پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ یہ تو بڑے فائدے والا مال ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر تاجر تجارت کرتے وقت نفع کی امید رکھتا ہے اور حضرت ابوطلحہؓ نے ایسی تجارت کی جس میں فائدہ ہی فائدہ تھا اور نقصان کا شائبہ تک نہ تھا اللہ نے منافقین کے متعلق قرآن میں فرمایا ہے۔ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ — ۱۶) انکی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔ انہوں نے زندگی جیسی قیمتی پونجی کو ضائع کردیا اور ایمان اور نیکی کی بجائے کفر، شرک، اور نفاق کو خرید لیا۔

حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَقَدْ سَمِعْتُ اے ابوطلحہؓ میں نے تمہاری بات کو سن لیا کہ تم اس کنوئیں کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتے ہو۔ اب میں تمہیں یہ رائے دیتا ہوں۔ اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ کہ تم اسے اپنے قرابت داروں میں دے دو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے آپ کی اس رائے کی تعمیل میں وہ کنواں اپنے تین یا چار محتاج قرابت داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ زکواۃ و صدقات کے زیادہ مستحقین بھی عزیز واقارب ہی ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قرابتداروں پر خرچ کرنے سے دوہرا اجر ملتا ہے ایک قرابتداری کا اور دوسرا محتاجی کا۔ اگر کوئی قرابت دار دشمن بھی ہے تو بھی اس کی مالی اعانت کرنے والے کو اللہ تعالےٰ دوہرا اجر عطاء کرتا ہے اس میں اچھا مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی آجاتی ہے قرآن میں ایسا ردی مال خرچ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے جس کو کوئی شخص خود لینا پسند نہیں کرتا۔

———— ✩ ————

جنّت کا سوال اور دوزخ سے پناہ

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَسْئَلُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ ثَلٰثًا اِلَّا قَالَتِ الْجَنَّۃُ اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْہُ وَلَا اسْتَجَارَ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اللّٰہَ مِنَ النَّارِ ثَلٰثًا اِلَّا قَالَتِ النَّارُ اَللّٰھُمَّ اَجِرْہُ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو مسلمان آدمی اللہ تعالےٰ سے تین مرتبہ جنّت کا سوال کرتا ہے یعنی کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے جنّت عطا فرما دے بشرطیکہ اس کا ایمان صحیح اور نیّت صادق ہو، تو جنّت کہتی ہے کہ اے اللہ! اس شخص کو اس جنّت میں داخل کردے جس کا یہ سوال کر رہا ہے۔

فرمایا، اسی طرح جو شخص صحیح نیّت، ارادے اور ایمان کے ساتھ دوزخ سے تین مرتبہ پناہ مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھے دوزخ سے بچالے، تو دوزخ کہتی ہے کہ اے اللہ! اس شخص کو پناہ دے دے اور میرے اندر داخل نہ کر۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں مگر عارف کی دعا مختصر ہوتی ہے میں تو اس مختصر سی دعا پر اکتفا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنّت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ناراضگی اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔

———— ☆ ————

دوزخ اور جنّت کا پُر ہونا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ - صفحہ ۱۴۱)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم ہمیشہ کہتی رہے گی کیا کچھ مزید ہے؟ یعنی میں ابھی پُر نہیں ہوئی، مجھ میں اور لوگ ڈالے جائیں۔ پھر اللہ رب العالمین اس میں اپنا قدم مبارک رکھیں گے، پس وہ سکڑ جائے گی بعض بعض کی طرف وَتَقُوْلُ بِعِزَّتِكَ قَطْ قَطْ اور پھر وہ کہے گی پروردگار! تیری عزت کی قسم، بس بس، اب میں پُر ہو گئی ہوں۔

یہ حدیث اس لحاظ سے متشابہات میں شمار ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالےٰ کے قدم رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ قرآنِ کریم میں تین قسم کے کلمات آتے ہیں یعنی محکمات متشابہات اور مقطعات۔ قرآن پاک کی اکثر آیات محکمات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے الفاظ بھی معلوم ہیں اور مطلب اور مراد بھی واضح ہے۔ اور مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کے الفاظ کے معانی معلوم ہیں اور نہ مطلب اور مراد واضح ہے جیسے آلٓمٓ حٰمٓ وغیرہ۔ تیسری قسم متشابہات کی ہے جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ الفاظ کا معنی تو سمجھ میں آتا ہے مگر اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ قرآن پاک میں متشابہات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔ (طٰہٰ - ۵)

خدائے رحمان عرش پر مستوی ہے عرش کا معنی تخت ہے مگر اللہ تعالےٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو ہم انسان کے کرسی، صوفہ یا پلنگ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ انسان کی تو جہت آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے ہوتی ہے مگر اللہ تعالےٰ جہت سے

پاک ہے۔ وہ جسمانیات، زمانیات اور مکانیات سے بھی پاک ہے، لہٰذا اس کو مخلوق کے بیٹھنے پر قیاس کرنے سے کفر لازم آتا ہے۔ تو خدائے رحمان کے عرش پر مستوی ہونے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ اس طرح مستوی ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جس کی کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے اس کی حقیقت کو خدا تعالیٰ کی طرف سونپ دینا چاہیئے اور اس معاملہ میں کرید نہیں کرنی چاہیئے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کے ہاتھوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ ـ ۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہے اپنے بندوں پر خرچ کرتا ہے یہاں بھی ہم اللہ تعالےٰ کے ہاتھوں کو مخلوق کے ہاتھوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ انسان یا کسی دیگر جاندار کے دو ہاتھ دائیاں اور بائیاں ہوتے ہیں اور ان میں مادیت پائی جاتی ہے جب کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہیں تو اس مقام پر بھی یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ تو ہیں مگر مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں، بلکہ اللہ کے ہاتھ ایسے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے مگر یہ چیز ہمارے تصوّر میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح حدیث میں اللہ تعالےٰ کی پنڈلی کا ذکر بھی آتا ہے، مگر وہاں بھی کہنا پڑتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی پنڈلی تو ہے مگر ہماری پنڈلی جیسی نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہے

اس مقام پر اللہ تعالےٰ کے قدم کا ذکر ہے کہ وہ اسے جہنم میں رکھے گا تو وہ پُر ہو جائے گی اور بس بس پکار اٹھے گی۔ دیگر اعضاء کی طرح اللہ تعالےٰ کا قدم بھی مادیت اور جہت کی آلائشوں سے پاک ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسے اس کی ذات اور اس کی شان کے لائق ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ایسے الفاظ کا اشارہ خدا تعالےٰ کی بعض صفات کی طرف ہوتا ہے ہاتھ پنڈلی یا قدم سے خدا تعالےٰ کی کوئی نہ کوئی صفت مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہاں پر خدا تعالےٰ کی تجلی اعظم کا نزول ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند و برتر ہے لہٰذا اس کی

تجلی ہی کو لفظ اللہ یا رحمان کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یہ تجلی بھی کسی ذات یا صفت کی مظہر ہے۔ تو جب جہنم کہے گی کہ میں ابھی پر نہیں ہوئی اور مزید مخلوق کا مطالبہ کرے گی تو اللہ تعالےٰ وہاں پر خاص قسم کی تجلی ڈالے گا جس سے جہنم پر ہو جائے گی اور پکار اٹھے گی کہ اے پروردگار! تیری عزت کی قسم اب مجھے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَلَا یَزَالُ فِی الْجَنَّۃِ فَضْلٌ اور جنّت میں ہمیشہ کشادگی ہی رہے گی یہاں تک کہ ساری مخلوق بھی اس میں داخل ہو جائے گی تو پھر بھی یہ پر نہیں ہوگی بلکہ اس کا بہت سا حصّہ خالی ہی رہے گا فرمایا حَتّٰی یُنْشِئَ اللّٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَیُسْکِنُہٗ فِیْ فُضُوْلِ الْجَنَّۃِ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی اور مخلوق کو پیدا کریگا جس کو اس میں بسایا جائیگا تو پھر وہ پر ہو جائے گی۔ نئی مخلوق ملائکہ کی طرح کی کوئی پاک مخلوق ہوگی جو جنّت کی مستحق ہوگی۔

ریشمی لباس کی ممانعت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عُمَرَ بِجُبَّةِ سُنْدُسٍ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے ریشم کا ایک جبہ حضرت عمرؓ کی طرف بھیجا قَالَ فَلَقِيَ عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر جب حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ فَقَالَ بَعَثْتَ اِلَيَّ بِجُبَّةِ سُنْدُسٍ اور عرض کیا حضور! آپ نے میری طرف ریشمی جبہ بھیجا ہے وَقَدْ قُلْتَ فِيْهَا مَا قُلْتَ اور آپ نے اس کے بارے میں فرمادیا ہے جو آپ نے فرمایا ہے یعنی یہ کہ کسی مسلمان کے لیے خالص ریشم کا چغہ پہننا حرام ہے۔ یہ اصلی ریشم کا ذکر ہے جو کیڑے سے نکالا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کا مصنوعی ریشم شامل نہیں جس کا پہننا جائز ہے البتہ عورتوں کے لیے خالص ریشم کا لباس بھی پہننا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں ہے ایک دفعہ ایک شخص ریشم کا بنا ہوا کوٹ بیچ رہا تھا تو اس کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کسی مومن اور متقی آدمی کا لباس نہیں ہو سکتا حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ واقعہ تھا لہٰذا انہوں نے آپ سے مذکورہ سوال کر دیا کہ آپ کے حکم کے مطابق ریشم مرد کے لیے حرام ہے مگر آپ نے یہ ریشمی چغہ میری طرف ارسال فرمایا ہے۔

اس کے جواب میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قَالَ اِنِّيْ لَمْ اَبْعَثْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا میں نے یہ جبہ تمہاری طرف خود پہننے کے لیے نہیں بھیجا اِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا اِلَيْكَ لِتَبِيْعَهَا اَوْ لِتَسْتَنْفِعَ بِهَا میں نے تو یہ اس لیے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ تم اسے فروخت کر دو یا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ جبہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک مشرک بھائی کو مکہ میں بھیج دیا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے وہ جبہ دو ہزار درہم میں فروخت کر کے اس سے فائدہ اٹھایا۔

بعض چیزوں کا استعمال مسلمانوں کے لیے تو ممنوع ہے مگر ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور بعض چیزوں کا استعمال اور فائدہ اٹھانا دونوں ناجائز ہیں جیسے فوٹوگرافی مردار اور اس کی چربی اور شراب وغیرہ۔ ایسی چیزوں کا نہ استعمال جائز ہے اور نہ ان کی تجارت۔ سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے پہننا جائز نہیں مگر اس کو فروخت کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ریشمی کپڑے کا بھی یہی حکم ہے۔

درسِ توحید

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى فَلَا يُجْعَلَ مَعِيَ اِلٰهٌ فَمَنِ اتَّقٰى اَنْ يَّجْعَلَ مَعِيَ اِلٰهًا كَانَ اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المدثر کی یہ آخری آیت تلاوت فرمائی۔ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝ یعنی وہ خدا تعالےٰ اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہے اور پھر اس کا مطلب بھی سمجھایا کہ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى۔ میں اس بات کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے۔ فَلَا يُجْعَلَ مَعِيَ اِلٰهٌ لہٰذا میرے ساتھ کسی کو الٰہ نہ بنایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے ساتھ کوئی دوسرا شریک بنانے سے ڈر گیا یعنی اس نے میری ذات، صفات یا عبادات میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا، كَانَ اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ تو پھر میں اس بات کا اہل ہوں کہ ایسے شخص کے گناہوں کو معاف کر دوں۔ گویا جس شخص نے دنیا میں شرک سے اجتناب کیا اس کی معافی اور بخشش کا اللہ نے ذمّہ لے لیا ہے۔

قیامت کو غدار کی پہچان

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُعْرَفُ بِہٖ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن ہر غدار آدمی کے پاس ایک جھنڈا ہو گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ غدر کا معنی معاہدہ شکنی ہوتا ہے۔ کوئی شخص عہد و پیمان کر کے پھر اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ غدار کہلائے گا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ قیامت والے دن ہر غدار آدمی کی پشت میں جھنڈا گاڑھا جائے گا اور لوگ دور سے پہچانیں گے کہ یہ فلاں غدار آدمی ہے۔ کوئی شخص جس قدر بڑا غدار ہو گا اس کا جھنڈا بھی اسی قدر اونچا ہو گا اور اس کی اتنی ہی زیادہ تشہیر و تذلیل ہو گی۔

عہد و پیمان خالق کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی۔ جو شخص خالق کے ساتھ کیا گیا عہد توڑتا ہے اور اس کے ساتھ کفر اور شرک کرتا ہے وہ بلاشبہ غدار ہے۔ اسی طرح جو آدمی اپنے بھائی بندوں سے کئے گئے وعدے کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ بہرحال عہد و پیمان کا پورا کرنا ضروری ہے۔

غنودگی میں نماز پڑھنے کی ممانعت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَنَمْ حَتّٰی یَعْلَمَ مَا یَقُوْلُ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو دوران نماز اونگھ آجائے تو ایسی حالت میں نماز چھوڑ کر پیچھے پلٹ جائے اور سو جائے یہاں تک کہ وہ جان سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

یہ رات کی نماز کا ذکر ہے کہ کوئی پچھلی رات اُٹھ کر نوافل ادا کرتا ہے مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نماز ٹھیک طور سے ادا نہیں کر پاتا بلکہ اسے علم ہی نہیں کہ وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے یا زبان سے کوئی غلط بات نکال رہا ہے تو ایسی حالت میں اسے نماز ترک کر کے سو جانا چاہیئے جب نیند کا غلبہ کم ہو جائے تو پھر اٹھ کر نماز ادا کرے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت لاگو ہو گا جب رات ابھی دراز ہو اور وہ دوبارہ اٹھ کر طلوع فجر سے پہلے نماز مکمل کر سکے اور اگر وقت کم ہو تو ایسے شخص کو مجلس بدل کر یا تازہ وضو کر کے نماز جاری رکھنی چاہیئے اس طرح اسکی غنودگی بھی دور ہو جائے گی اور نماز کی برکات سے بھی محروم نہیں رہے گا۔

مصافحہ کی فضیلت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمَیْنِ اِلْتَقَیَا فَاَخَذَ اَحَدُھُمَا بِیَدِ صَاحِبِہٖ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَحْضُرَ دُعَآءَھُمَا وَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ حَتّٰی یَغْفِرَ لَھُمَا۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتا ہے تو اللہ کے ذمّے یہ حق ہوتا ہے کہ وہ ان کی دعا کے وقت حاضر ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ ان کے ہاتھوں کے درمیان جدائی نہیں ڈالتا جب تک کہ ان کے گناہ معاف نہیں کر دیتا۔

یہ دو مسلمانوں کے درمیان ملاقات اور مصافحے کا بیان ہے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے سے مراد مصافحہ کرنا ہے جس کو استحباب کا درجہ حاصل ہے دو اہل ایمان کی ملاقات سے متعلق اسلام نے تین درجے مقرر کئے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ بوقت ملاقات ایک مسلمان سلام کرے اور دوسرا اُس کا جواب دے۔ یاد رہے کہ سلام کرنا سنّت ہے جبکہ اس کا جواب دینا واجب ہے یہ عام درجہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے کو سلام کرے خواہ اس کی جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ البتہ جو سلام کرنے میں پہل کریگا وہ زیادہ اجر کا مستحق ہوگا۔

ملاقات سے متعلق دوسرا درجہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی کیا جائے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملایا جائے فقہا کرام فرماتے ہیں کہ ایک ایک ہاتھ ملانے سے مصافحہ تو ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر دونوں ہاتھ ملائے جائیں تو مصافحہ مکمل ہو جاتا ہے مگر ایسا کرنا ضروری نہیں ہے صرف محبت کی زیادتی کا ثبوت ہے اور زیادہ بہتر کام ہے۔

فرماتے ہیں کہ ملاقات کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سلام اور مصافحہ کے علاوہ معانقہ بھی کیا جائے یعنی ایک دوسرے سے گلے ملا جائے۔ جب کسی دوست، عزیز، بھائی بیٹا وغیرہ کے ساتھ دیر کے بعد ملاقات ہوتی ہے تو بے اختیار فرطِ محبت میں ایک دوسرے کے گلے مل جاتے ہیں اس کا ثبوت بھی سنّتِ مطہرہ میں موجود ہے حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ جب سفر سے واپس آتے تو حضور علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے، دروازہ تک گئے اور حضرت زیدؓ سے معانقہ کیا۔

بعض لوگ نماز کے بعد باقاعدگی سے ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں یا سارے کے سارے امام کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ بدعات میں داخل ہے، سُنّت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح بعض لوگ عید کی نماز کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ یا معانقہ کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ضروری نہیں۔ جو شخص باہر سے آتے وہ تو مصافحہ یا معانقہ کرے مگر ایک گلی محلہ یا گاؤں میں رہنے والوں کے لیے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ یہ محض رواج ہے یا اس کو بدعات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال حضور علیہ السلام نے مصافحہ کی بڑی فضیلت بیان کی ہے کہ جب دو مسلمان بھائیوں کی ملاقات ہوتی ہے اور ان میں سے ایک کہتا ہے السلام علیکم اور دوسرا جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ ان کی دعا کو قبول کرتا ہے اور ان کے صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ البتہ کبائر توبہ کرنے یا حقوق کی ادائیگی کے بعد ہی معاف ہوتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کے لیے برکت کی دعا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے بارے میں یہ دعا کی کہ اے اللہ! مدینہ طیبہ میں ان برکات سے دگنی بنا دے جو کچھ تو نے مکہ مکرمہ میں نازل کی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور اپنی بیوی ہاجرہؓ اور بچے اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں آباد کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ مولا کریم! میں اپنی اس اولاد کو بے آب وگیاہ زمین میں آباد کر رہا ہوں، تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ (ابراہیم ۳۷) اور انہیں پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ یہ تیرا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور لوگ پانچ ہزار سال سے اس دعا کی برکات کو ملاحظہ کر رہے ہیں کہ وہاں پر سارا سال ہر قسم کے پھل باافراط ملتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ مولا کریم! مکہ کی نسبت مدینہ میں دگنی برکات نازل فرما۔ چنانچہ وہاں بھی مکہ والی تمام سہولتیں باافراط میسر ہیں۔ لوگ خوشحال ہیں اور ان کو ہر چیز میسر ہے اور مکہ سے سستی مل جاتی ہیں۔

ذاکرین کیلئے بخشش کی دعا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ اِلَّا وَجْهَهٗ اِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّاٰتُكُمْ حَسَنَاتٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انس بن مالک رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب کچھ لوگ اللہ کا ذکر کرنے کیلیے اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کا اللہ کی رضا کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تو آسمان کی طرف سے ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے کہ اب تم کھڑے ہو جاؤ اس حالت میں کہ خدا تعالےٰ نے تمہاری غلطیوں کو اس عمل کی وجہ سے معاف کر دیا ہے۔ اور تحقیق میں نے تمہاری برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیا ہے

ذکر الٰہی میں بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ منجملہ ان کے تلاوت قرآن، درس قرآن درس حدیث، مسائل دین اور وعظ و نصیحت شامل ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا، استغفار کرنا، درود شریف پڑھنا وغیرہ ذکر میں داخل ہے البتہ ذکر کرنے والوں کا ارادہ محض اللہ کی رضا ہونا چاہیئے خود نمائی یا دوسروں کی ایذا رسانی مقصود نہ ہو۔ ذکر کا طریقہ بھی صحیح ہونا چاہیئے ہمارے ہاں لاؤڈ سپیکر کھول کر باقی لوگوں کو بیزار کیا جاتا ہے جو کہ مکروہ طریقہ ہے۔ لاؤڈ سپیکر کی آواز ضرورت سے زیادہ دور جگہ تک نہیں جانی چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے بعض اوقات دوسروں کی نماز اور عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے، بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے یا مطالعہ کرنے والوں کے مطالعہ میں خلل واقع ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کا یہ طریقہ مکروہ ہے۔ اسی

مسند احمد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ وَلَا یَجْهَرُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ تم ایک دوسرے کے سامنے قرآن بھی بلند آواز نہ پڑھو کہ ایسا کرنے سے دوسرے شخص کی عبادت میں خلل پڑتا ہے۔ تم اسے نیکی کا کام سمجھ کر کر رہے ہو حالانکہ یہ تو مکروہ ہے بہر حال ذکر الٰہی کے لیے نیّت اور طریقۂ ذکر صحیح ہونا چاہیئے جب اس طریقے سے کچھ لوگ جمع ہو کر خدا کا ذکر کریں گے تو اللہ کی جانب سے آواز آئے گی کہ اب اٹھ کھڑے ہو میں نے تمہاری خطاؤں کو معاف کر کے ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی ہیں۔

آغازِ مصیبت میں صبر کا اجر

حَدَّثَنَا ثَابِتٌ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ لِامْرَأَةٍ مِّنْ اَهْلِهٖ اَتَعْرِفِيْنَ فُلَانَةَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِيْ عَلٰى قَبْرٍ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۳)

حضرت انسؓ کے شاگرد حضرت ثابت کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا کہ حضرت انسؓ اپنے گھر والی عورتوں میں سے ایک عورت کو کہہ رہے تھے، کیا تم فلاں عورت کو پہچانتی ہو؟ کیونکہ حضور علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے تھے تو وہ ایک قبر پر رو رہی تھی یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام نے اس عورت سے فرمایا۔ فَقَالَ لَهَا اِتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور صبر کرو کیونکہ اس طرح قبر پر بیٹھ کر آہ وزاری کرنا اچھا فعل نہیں ہے اس عورت نے دھیان اوپر کئے بغیر اور حضور علیہ السلام کو پہچانے بغیر کہا فَقَالَتْ لَهٗ اِيَّاكَ عَنِّيْ تجھے مجھ سے کیا سروکار۔ فَاِنَّكَ لَا تُبَالِيْ بِمُصِيْبَتِيْ کیونکہ آپ میری مصیبت کو نہیں جانتے فَقِيْلَ لَهَا پھر لوگوں نے اُس عورت سے کہا اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ کہ نادان عورت! تم سے تو اللہ کے رسول مخاطب تھے جو تمہیں نصیحت کی بات سمجھا رہے تھے مگر تم نے آپ کے ساتھ بڑی ناشائستہ بات کی ہے تو جب اس عورت کو اس حقیقت کا علم ہوا فَاَخَذَ بِهَا مِثْلُ الْمَوْتِ تو اس کی حالت قریب المرگ جیسی ہوگئی گویا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ٹھکرانے کا سخت غم لاحق ہوگیا۔ فَجَاءَتْ اِلٰى بَابِهٖ پھر وہ عورت حضور علیہ السلام کے درِ اقدس پر حاضر ہوئی تاکہ اپنی غلطی کی تلافی کرسکے۔ اس کا بیان ہے فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا۔ کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کسی دربان یا چوکیدار کو نہ پایا۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے اس عورت کو کوئی دقت پیش نہ آئی وہ حاضر ہوئی فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ اَعْرِفْكَ اور کہنے لگی، اے اللہ کے رسول! میں آپ کو پہچان نہ سکی۔ یہ میری غلطی ہے، آپ مجھے معاف فرمادیں۔ پھر فَقَالَ اِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ اَوَّلِ صَدْمَةٍ آپ علیہ السلام نے اس عورت سے فرمایا کہ صبر ہر تکلیف کے آغاز میں ہوتا ہے۔ جو شخص صدمہ پہنچنے پر تکلیف کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرتا ہے اور جزع فزع نہیں کرتا، نوحہ اور بین نہیں کرتا اس کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر عطاء کرتا ہے حضور علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ تم نے صبر کا موقع کھودیا ہے۔ جب کوئی شخص رو پیٹ کر تھک جاتا ہے تو پھر تو اسے مجبوراً صبر کرنا پڑتا ہے۔ اصلی صبر تو وہ ہوتا ہے جو تکلیف کے آنے پر فوراً اختیار کر لیا جاتے، نہ جزع فزع کی جاتے، نہ سینہ کوبی کی جاتے، یا کپڑے پھاڑے جائیں اور نہ بالوں کو نوچا جاتے بلکہ مصیبت کو منجانب اللہ سمجھ کر آرام سے بیٹھ جائے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم قبر پر بیٹھ کر رو رہی تھی جو کہ صبر کے منافی امر ہے لہٰذا اب تم اجر کی حقدار نہیں رہی۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عورت کو حقیقت سے آگاہ کر دیا، اور اس کو کوئی ملامت یا ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی کیونکہ اُس نے وہ کام نادانی میں کیا تھا۔

———— ☆ ————

مسواک کی فضیلت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرْتُ عَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! میں نے مسواک کرنے کا بہت زیادہ حکم دیا ہے، یعنی کثرت سے سمجھایا ہے کہ مسواک کرنے کا بہت اچھا عمل ہے اور اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مجھے خطرہ نہ ہوتا کہ اُمت کے لوگ مشقت میں پڑ جائیں گے تو میں ہر نماز کے ہر وضو کیلئے مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا تاہم مسواک کرنا سُنت ہے اس کی بہت اہمیت ہے اور حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء کی خصلتوں میں سے ایک خصلت مسواک کرنا بھی ہے کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ جب حضور علیہ السلام رات کے وقت گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کونسا کام انجام دیتے تھے؟ تو اُم المومنین نے فرمایا آپ سب سے پہلے مسواک کرتے۔ حضور علیہ السلام وضو کرتے وقت اکثر مسواک کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی مسواک کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس نماز سے پہلے مسواک کی جاتے وہ اس نماز سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے جس سے پہلے مسواک نہ کی جاتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسواک مَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ یعنی منہ کو پاک صاف کرنے والی چیز ہے۔ وَمَرْضَاتٌ لِلرَّبِّ اور اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے منہ میں آلائش رہ جانے کی وجہ سے بعض اوقات بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ حُقہ تمباکو، سگریٹ، نسوار وغیرہ کا استعمال بھی منہ میں بدبو پیدا کرتا ہے اس حالت میں نماز پڑھنا، تلاوت کرنا یا دیگر وظائف کرنا درست نہیں۔ لہٰذا اچھے طریقے سے مسواک کرکے

پہلے منہ کو پاک صاف کرلینا چاہیئے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ خَیْرُ خِصَالِ الصَّائِمِ السِّوَاکُ روزے دار کی بہترین خصلتوں میں سے ایک خصلت مسواک کرنا بھی ہے۔ روزے کی حالت میں کوئی شخص پہلے پہر یا پچھلے پہر جب چاہے مسواک کرسکتا ہے۔ مسواک لکڑی کی ہونی چاہیئے خواہ خشک ہو یا تازہ بُرش ہر حالت میں کرسکتا ہے مگر اس سے مسواک کا ثواب نہیں ملیگا البتہ روزے کی حالت میں منجن یا پیسٹ کا استعمال درست نہیں ہے۔ تازہ مسواک کیکر، شیشم، سکھ چین یا پیلو وغیرہ کی ہوسکتی ہے اور یہ اجر و ثواب مسواک کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

دانتوں کے نیچے پیپ پیدا ہو کر دانتوں کی بیماری پائیوریا وغیرہ کا باعث بنتی ہے۔ یہی پیپ معدے میں جاکر نظام ہضم کو خراب کردیتی ہے۔ مسواک کرنے سے دانتوں کی بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں، گویا یہ دانتوں کی بیماریوں کا شافی علاج بھی ہے اور عبادت کی مقبولیّت کا ذریعہ بھی۔ منہ پاک صاف ہونے کی صورت میں جب آدمی نماز پڑھتا ہے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے یا کوئی ذکر اذکار کرتا ہے تو اس کا اجر و ثواب بہت بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے لوگوں کو کثرت سے مسواک کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کثرت سے مسواک کیا کرتی تھیں۔ یورپ کے ڈاکٹر بھی تجربات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بعض بیماریوں کا علاج دوائی یا منجن کے استعمال کی بجائے محض مسواک کرنے میں ہے۔ کسی زمانہ میں مصری ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ جس شخص کے دانت ٹھیک نہ ہوتے ہوں۔ فَعَلَيْهِ بِالشَّجَرَةِ مُحَمَّدٍ اس کو محمدی درخت یعنی مسواک استعمال کرنی چاہیئے۔

مسواک تو غیر مسلم مثلاً ہندو، سکھ بھی داتن کے نام سے استعمال کرتے ہیں، مگر جب ایک مسلمان مسواک کرتا ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میرا منہ بھی پاک صاف ہو اور حضور علیہ السلام کی سنّت بھی ادا ہو جائے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ دوہرا اجر عطا کرتا ہے جو کسی غیر مسلم کے حصے میں نہیں آسکتا کیونکہ اس کا مقصد محض منہ کی صفائی ہوتا ہے

سُنّت پر عمل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک مسلمان سُرمہ استعمال کرتے وقت آنکھوں کی صفائی اور سنّت نبوی علیہ السلام کی نیّت بھی کر لیتا ہے۔ حضور علیہ السّلام نے فرمایا اثمد سُرمہ یا سرمہ اصفہانی آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور دوران خون کو درست رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ پپوٹوں کے بالوں کے اُگنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

بہر حال ہر چھوٹے بڑے مرد و زن کو مسواک استعمال کر کے دوہرے اجر کا مستحق بننا چاہیئے۔ اسی لیے حضور علیہ السّلام نے کثرت سے مسواک استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے۔

کھجور اور خربوزہ ملا کر کھانا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ الرُّطَبِ وَالْخِرْبِزِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۲)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ تازہ کھجور اور خربوزہ ملا کر استعمال کرتے تھے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس فعل میں تعلیم بھی ہے اور حکمت بھی۔ بعض اوقات خربوزہ پھیکا ہوتا ہے اور کھانے کو جی نہیں چاہتا مگر جب میٹھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تو پسندیدہ بن جاتا ہے۔ بعض لوگ پھیکے خربوزے پر چینی ڈال کر بھی کھاتے ہیں تاکہ وہ شیریں ہو جائے۔ انسانی جسم کے لیے خربوزہ ویسے بھی مفید ہے کیونکہ یہ قبض کشا اور دل کے لیے مقوی ہوتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام تربوز اور کھجور ملا کر استعمال کرتے تھے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے اور کھجور گرم۔ ان دونوں کو ملانے سے اعتدال پیدا ہو کر انسانی جسم کے لیے مفید ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بخار زدہ آدمی کو کھجور کھانے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ بخار والا آدمی سخت گرم ہوتا ہے اور اوپر سے گرم کھجور کھانا اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ بخار میں مبتلا تھے۔ آپ ایک شخص کے ہاں گئے جس نے آپ کو کھجوریں پیش کیں۔ حضرت علیؓ کھانا چاہتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا کہ اس سے بخار مزید تیز ہو جائے گا۔ پھر اس شخص نے چقندر پیش کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمہارے لیے مفید ہے کیونکہ یہ ٹھنڈا اور مفرح ہوتا ہے۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام کی خدمت میں گندم یا جو کی روٹی بغیر سالن کے پیش کی گئی۔ آپ نے روٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور اس پر کھجور کا دانہ رکھ کر فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اس لیے امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہر وقت گوشت

سبزی وغیرہ کا سالن ہونا ضروری نہیں بلکہ بعض اوقات گڑ یا، پیاز یا کھجور وغیرہ کے ساتھ بھی روٹی کھائی جا سکتی ہے۔ ہمارے دیہات میں بعض لوگ لسی یا دودھ کے ساتھ روٹی کھا لیتے ہیں، یا روٹی پر اچار رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں جائز اور سنت کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضور علیہ السّلام کا اخلاقِ کریمانہ

عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّابًا وَّلَا فَحَّاشًا وَّلَا لَعَّانًا وَكَانَ يَقُوْلُ لِاَحَدِنَا عِنْدَ الْمُعْتَبَةِ مَالَهُ تَرِبَتْ جَبِيْنُهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انسؓ حضور علیہ السلام کے اخلاقِ عالیہ اور عاداتِ مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نہ گالی دینے والے تھے نہ فحش بات زبان سے نکالتے تھے اور نہ کسی پر لعنت کرتے تھے۔ بلکہ اگر کسی وقت غصّہ آجاتا تو ہم میں سے کسی شخص سے یہ فرماتے مَالَهُ تَرِبَتْ جَبِيْنُهُ۔ اس کو کیا ہو گیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ مطلب یہ کہ فلاں شخص نے یہ غلط کام کیوں کیا ہے یا ایسی غلط بات کیوں کی ہے جو ہمارے لیے غصّہ اور پریشانی کا باعث بنی ہے۔ بس اس سے زیادہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ یا سرزنش نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی کسی کے حق میں کوئی ناگوار کلمہ زبان مبارک سے نکالتے تھے۔

نمازِ قصر کا بیان

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّهٗ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِيْ بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُثْمَانَ رَكْعَتَيْنِ صَدْرًا مِّنْ اِمَارَتِهٖ ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت فرض ادا کئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی دو رکعتیں ادا کیں اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی دو دو رکعتیں ادا کیں۔ یہ سفر کی نماز کا ذکر ہے جب حضور علیہ السلام مدینہ سے مکہ آتے تو مسافر کی نماز یعنی چار رکعت کی بجائے دو رکعت ادا کرتے۔ دورانِ سفر نماز میں یہ رعایت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۔ (النسآء ۱۰۱)

جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں کمی کر لو۔ چنانچہ حضور کی سنت کے مطابق ظہر، عصر، اور عشاء کی نمازیں چار کی بجائے دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔ البتہ فجر کی دو اور مغرب کی تین رکعتوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک شرعی سفر چار برید یا اڑتالیس میل ہے اگر انسان اتنی مسافت پر جاتے تو نماز قصر ہو گی اور روزے کی افطار بھی جائز ہو گی بشرطیکہ وہاں پر پندرہ دن سے کم مدت کے قیام کی نیت ہو۔ اگر پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر وہ مقیم شمار ہو کر پوری نماز ادا کرے گا۔ ہاں اگر مسافر آدمی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی اقتداء میں چار رکعت پوری کریگا۔ اور اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا خود امامت کرا رہا ہے تو قصر کریگا۔

پوری اور آدھی نماز کے سلسلے میں ائمہ کا قدرے اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور

بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ سفر کے دوران پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے اگرچہ سنت قصر ہی ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر ائمہ کے مطابق پوری نماز پڑھنے سے آدمی گنہگار ہوگا کیونکہ حضور علیہ السلام سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ دوران سفر دو رکعت ہی ادا کرتے تھے۔ آپ حج کے لیے مدینہ سے مکہ مکرمہ آئے تو منیٰ میں دو رکعت ہی ادا فرمائیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوبکرؓ کے ساتھ بھی سفر کیا اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی۔ یہ دونوں حضرات سفر میں قصر ہی کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں دوران سفر میں نے ان کے ساتھ بھی دو رکعت ہی ادا کیں، لیکن بعد میں آپ چار رکعت بھی پڑھ لیتے تھے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ طریقہ کیوں تبدیل کر لیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں نکاح کر لیا ہے لہٰذا میں یہاں آکر پوری نماز پڑھتا ہوں۔ میں نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ مَنْ نَكَحَ بِبَلْدَةٍ فَلْيُصَلِّ صَلٰوةَ الْمُقِيْمِ جو کسی شہر میں شادی کر لے تو وہاں جا کر اسے مقیم والی پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

دوسری روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چار رکعت لوگوں کی تعلیم کے لیے ادا کیں۔ حج کے موقع پر دور دراز کے دیہات سے بھی لوگ آتے تھے۔ جنہیں اسلامی تعلیمات کی اچھی طرح واقفیت نہیں تھی تو آپ نے ان کی موجودگی میں چار رکعت اس لیے ادا کیں تاکہ یہ لوگ واپس جا کر بھی چار رکعت ہی پڑھیں۔ اگر میں ان کو دو رکعت پڑھا دیتا تو ہو سکتا ہے کہ گھروں میں جا کر بھی دو دو رکعت ہی پڑھتے رہتے تاہم پہلی بات زیادہ راجح ہے کہ آپ نے رشتہ داری قائم ہو جانے کی وجہ سے مکہ میں پوری نماز ادا کرنا شروع کر دی۔

صلوٰۃ الرسول کے ساتھ مشابہت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ اِمَامًا اَشْبَہَ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِمَامِکُمْ ھٰذَا لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انسؓ نے کئی لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ میں نے تم میں سے کسی امام کے پیچھے حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھنے والی نماز نہیں پڑھی بہ نسبت اس امام یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے۔ جن دنوں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ میں گورنر تھے، وہ نماز کی امامت بھی کراتے تھے۔ اگرچہ آپ صحابی نہیں ہیں مگر حضرت انسؓ نے گواہی دی ہے کہ آپ کی نماز حضور علیہ السلام کی نماز کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۶۰ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ پہلے گورنر مقرر ہوتے پھر دو اڑھائی سال مسند خلافت پر بھی متمکن رہے۔ آپ بڑے متقی آدمی تھے۔ بنی اُمیہؓ میں سے واحد شخص ہیں جن کی خلافت، خلافت راشدہ کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ حضرت انسؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ امامت کراتے ہوتے لَا یُطِیْلُ الْقِرَاءَۃَ بہت لمبی قرأت نہیں کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی طرح آپ بھی نماز میں کمزور آدمیوں کی رعایت کی وجہ سے قرأت کو زیادہ لمبا نہیں کرتے تھے، البتہ رکوع، سجود، قومہ، جلسہ، تسبیحات وغیرہ مکمل کرتے تھے۔

اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ اُضْحِيَّتَهٗ بِيَدِهٖ وَكَانَ يُكَبِّرُ عَلَيْهِمَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے حضور علیہ السلام کو اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا اور آپ چھری چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ بھی پڑھتے تھے۔

اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا بلاشبہ افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً صاحبِ قربانی بہت کمزور ہے اور خود چھری نہیں چلا سکتا تو کسی دوسرے شخص کو اجازت دے کر ذبح کرا سکتا ہے، ہاں اگر ممکن ہو تو ذبح کرتے وقت خود موقع پر موجود رہے اگر آپ نہ بھی حاضر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، صرف اجازت دینا ہی کافی ہے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْ اَصْحَابِهٖ اِذَا مَرَّ بِهِمْ يَهُوْدِيٌّ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۲۱۴)

حضرت انس بن مالک رضؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ایک موقع پر اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک وہاں سے ایک یہودی گزرا اور اس نے سب لوگوں کو سلام کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا رُدُّوْهُ اس شخص کو واپس بلاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے دریافت فرمایا کَيْفَ قُلْتَ تم نے کس طرح سلام کیا تھا، سچ سچ بتاؤ تو وہ شخص کہنے لگا قُلْتُ سَامٌ عَلَيْكُمْ کہ میں نے کہا تھا کہ تم پر ہلاکت ہو اس موقع پر حضور علیہ السلام نے اس یہودی کی تو کچھ سرزنش نہ کی بلکہ اپنے صحابہ سے فرمایا کہ جب اہل کتاب میں سے کوئی تمہیں سلام کرے تو اس کے جواب میں فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكَ اَيْ مَا قُلْتَ تم صرف اتنا کہہ دیا کرو کہ تم پر وہی ہو جو کچھ تم نے ہمارے لیے تجویز کیا ہے۔ ان سے زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ اہل کتاب یا مشرکوں سے سلام میں پہل نہ کرو۔ اگر وہ خود سلام کریں تو جواب میں وَعَلَيْكَ اَيْ مَا قُلْتَ کہہ دیا کرو یعنی جو کچھ تم نے کہا وہ تمہیں پر پڑے۔ دراصل سام کا معنیٰ ہلاکت یا تباہی ہوتا ہے یہودی وغیرہ بدنیتی کے ساتھ مسلمانوں کو سلام کی بجائے سام کہتے تھے یعنی تم پر ہلاکت و تباہی آئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بھی جواب میں وَعَلَيْكَ کہہ دیا کرو یعنی جو کچھ تم نے ہمارے لیے پسند کیا ہے وہ تمہیں نصیب ہو۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ سلام میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر کہیں کفار کا غلبہ ہو اور سلام نہ کرنے سے نقصان

کا خطرہ ہو تو وہاں پہل بھی کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے سلام یا آداب عرض کے الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ ہندوستان میں کہا جاتا ہے، البتہ بندگی کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں کیونکہ بندگی یا عبادت تو صرف اللہ کی ذات کے ساتھ ہی خاص ہے

محدثین کرام اور فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ سلام کرتے وقت متعلقہ شخص کے علاوہ اس کے ساتھ موجود فرشتوں کے سلام کی بھی نیت کر لینی چاہیئے بہر حال مسلمانوں کے سلام کا جواب وعلیکم السلام کے ساتھ دو۔ اور اگر غیر مسلم ہے تو وعلیکم کہہ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے تعرض نہیں کیا اگرچہ اس نے اپنی بدنیتی کا اقرار کر لیا تھا آپ نے اپنی امت کو سلام کے جواب کی تعلیم دے دی۔

نابینا آدمی کیلئے جنّت کی بشارت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ اِذَا ابْتَلَى عَبْدِىْ بِحَبِيْبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنا کہ بیشک اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں کے ساتھ مصیبت میں ڈالتا ہے۔ پھر وہ بندہ صبر کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میں اس کے بدلے میں اس بندے کو جنّت عطا کرتا ہوں۔ اور دو پیاری چیزوں سے مراد اس کی دو آنکھیں ہیں مطلب یہ ہے کہ آنکھیں ضائع ہو جانے پر اگر بندہ صبر کرے اور گلہ شکوہ نہ کرے نہ خدا تعالیٰ کو گالی دے اور نہ یوں کہے کہ کیا اندھے پن کے لیے میں ہی رہ گیا تھا، یعنی اللہ تعالےٰ کی ناشکری نہ کرے تو اللہ فرماتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ میں اس شخص کو جنّت میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑونگا۔ عام محاورہ بھی ہے کہ آنکھ ہے تو جہان ہے۔ ان آنکھوں کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب انسان ان سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی آزمائش ہوتی ہے جس میں وہ پورا اترنے سے جنّت کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی سیادت کا بیان

عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ النَّاسِ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْ جُمْجُمَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ .... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پہلا شخص ہوں کہ قیامت والے دن سب سے پہلے میرے سر والی جگہ سے زمین شق ہوگی مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔

یہ حضور علیہ السلام کی شفاعت والی حدیث ہے جسے حضرت انس رضؓ کے علاوہ بہت سے دوسرے صحابہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب قیامت کو بعث بعد الموت کی منزل آئے گی تو حشر والے دن سب سے پہلے میرے سر لانے والی جگہ سے زمین پھٹے گی اور میں ہی سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر نکلونگا یہ اولیت اللہ تعالے مجھے ہی عطاء فرمائے گا مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا بلکہ یہ تو اللہ تعالے کی خاص مہربانی ہے جو اس نے مجھ پر کی ہے اور مجھے یہ مقام عطاء فرمایا ہے ترمذی شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وَاُوْتٰی حُلَّۃً مِّنَ الْجَنَّۃِ اور اسی وقت جنّت سے لباس لاکر مجھے پہنایا جائے گا جب کہ باقی سارے لوگ برہنگی کی حالت میں قبروں سے اٹھیں گے۔ پھر جب سب لوگ میدان حشر میں اکٹھے ہونگے تو اس موقع پر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ وَاُعْطٰی لِوَآءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ اور مجھے حمد کا جھنڈا عطاء کیا جائے گا مگر میں اس انعام پر بھی فخر نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالے

کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ساری مخلوق میں سے اس نے یہ فضیلت مجھے عطا فرمائی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام لوگ میرے جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہوں گے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا وَ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ اور قیامت والے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا لیکن میں فخر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو جو بزرگی، سرداری اور سیادت عطا فرمائی ہے اس کا مظاہرہ قیامت والے دن ہو گا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی ساری کائنات کے سردار ہیں مگر اس کا عملی طور پر اس وقت پتہ چلے گا جب ساری مخلوق میدان حشر میں جمع ہو گی۔ اللہ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے کہ آپ رات کے وقت تہجد ادا کیا کریں۔ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل ۷۹)

اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کریگا۔ یہ مقام پوری مخلوق میں سے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصے میں ہی آئے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ میں تمام لوگوں کا سردار ہوں مگر اللہ کی اس عنایت پر فخر کرنے کی بجائے اس کا شکر گزار ہوں۔

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ۔ اور میں جنت میں داخل ہونے والا اولین شخص ہوں گا لیکن مجھے اس پر بھی فخر نہیں ہے میں اس انعام پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا ہوں۔

پھر فرمایا وَ اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّۃِ فَاٰخُذُ بِحَلْقَتِہٖ اور میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کا حلقہ پکڑوں گا فَیَقُوْلُوْنَ مَنْ ھٰذَا۔ تو وہ کہیں گے یہ کون ہے؟ فَاَقُوْلُ اَنَا مُحَمَّدٌ تو میں کہوں گا کہ میں محمد ہوں فَیَفْتَحُوْنَ لِیْ پھر وہ میرے لیے دروازہ کھول دیں گے فَاَدْخُلُ پھر میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا پھر اللہ رب العزت میرے سامنے ہو گا تو میں اس کے حضور سجدے میں پڑ جاؤنگا

پھر وہ فرمائے گا۔ اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ وَتَكَلَّمْ يُسْمَعْ مِنْكَ اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں آپ کی بات سنی جائے گی وَقُلْ يُقْبَلْ مِنْكَ اور کہیں آپ کی بات قبول کی جائے گی وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ اور آپ سفارش کریں آپکی سفارش مانی جاتی گی۔ پھر حضور نے فرمایا کہ میں اپنا سر سجدے سے اٹھاؤں گا فَأَقُوْلُ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ اور کہوں گا اے پروردگار! میری اُمت، میری امت یعنی میری اُمت کو معاف کر دے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائے گا، اپنی امت کے پاس جاؤ۔ پس جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے میں اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں آگے جاؤں گا اور جس کے دل میں اسقدر بھی ایمان ہو گا اسے جنّت میں داخلہ مل جائے گا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ سے پھر آمنا سامنا ہو گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا اور امّت کی بخشش کا سوال کروں گا۔ اللہ فرمائیگا کہ تمہاری امت کے جس فرد میں نصف جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے بھی جنّت میں داخلہ مل جائے گا آپ نے فرمایا کہ میں تیسری دفعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گا اور اپنی امت کے لیے سوال کروں گا تو اللہ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے، وہ بھی جنّت میں جانے کا مستحق ہو گا۔ پھر اللہ تعالےٰ لوگوں کے حساب کتاب سے فارغ ہو گا تو میری امّت کے باقی لوگوں کو دوسرے دوزخیوں کے ساتھ ہی دوزخ میں داخل کر دیگا۔

بارش کے لیے دُعا

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰی فَاَشَارَ بِظَہْرِ کَفَّیْہِ اِلَی السَّمَآءِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی اور اپنے الٹے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔ آپ نے ایسا عاجزی اختیار کرتے ہوئے اس خیال سے کیا کہ شاید اللہ تعالےٰ حالات کو تبدیل کر دے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ہاتھ اونچے اٹھا کر دعا مانگی آپ نے صرف استسقا کے موقع پر ایسا کیا، کسی دیگر موقع پر اس طرح الٹے اور اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر نہیں آتا مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالےٰ بارش برسا کر خشک سالی کو دور فرما دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بارش کے لیے دو رکعت نماز بھی ادا فرمائی اور مذکورہ طریقے سے دعا بھی کی۔

مشرکین کے ساتھ جہاد کا حکم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاھِدُوا الْمُشْرِكِیْنَ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ایمان والو! جہاد کرو مشرکوں کے ساتھ اپنی زبانوں، جانوں، مالوں اور ہاتھوں کے ساتھ۔ جہاد کا معنیٰ دین کی تائید اور دشمن کے مقابلے میں اپنی ظاہری اور باطنی قوتوں کو صرف کرنا ہے جہاد مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ جان مال اور ہاتھوں کا جہاد تو عام فہم ہے کہ انسان دشمن کے مقابلے میں جہاد کی تیاری اور دوران جہاد اسلحہ اور خوراک وغیرہ کی فراہمی کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور پھر نہ صرف ہاتھوں سے تلوار چلاتا ہے بلکہ جان کی بازی لگا دیتا ہے البتہ زبان کا جہاد یہ ہے کہ مخالفین کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دیا جائے تاکہ وہ لوگوں کو گمراہ نہ کر سکیں۔ زبان کے جہاد میں تعلیم و تبلیغ شامل ہے اور نشر و اشاعت بھی۔ کتابیں لکھنا، مضمون شائع کرنا، لوگوں کو بات سمجھانا تاکہ دین کو تقویت حاصل ہو۔ یہ سب جہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔

اللہ کے راستے میں وقت لگانا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں صبح یا پچھلے پہر کا تھوڑا سا وقت صرف کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے جو شخص جہاد میں دن کا ایک تھوڑا سا حصہ بھی صرف کرتا ہے وہ اس کے لیے پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز بلحاظ اجر و ثواب بہتر ہے آخرت میں جب اس کا نتیجہ سامنے آئیگا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اللہ کی راہ میں لگایا گیا تھوڑا سا وقت کس قدر قیمتی تھا آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کو جنت میں ایک کمان کے برابر بھی جگہ میسر آ جاتے تو یہ بھی دنیا اور اسکی ہر چیز سے بہتر ہے۔ جنت ایک ایسا اعلیٰ مقام ہے کہ جس کی نعمتوں کا مقابلہ اس دنیا کے سازوسامان کے ساتھ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

شہادت کا اعلیٰ درجہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوْتُ لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ فَيَسُرُّهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا اِلَّا الشَّهِيْدُ يَسُرُّهُ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انس بن مالکؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جان مر جاتی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی بہتری ہوتی ہے تو اس کو پسند نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کی طرف پھر لوٹ آئے مگر اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا شخص تمنا کرتا ہے کہ اسے پھر موقع دیا جائے کہ وہ دنیا میں جا کر پھر دشمن کا مقابلہ کرے اور اسے پھر شہادت نصیب ہو کیونکہ شہادت کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی ذات کے متعلق فرمایا کہ میں بھی اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں بار بار شہادت نصیب ہو۔

☆

فرشتوں کا کعبہ بیت المعمور

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے (جیساکہ زمین پر کعبۃ اللہ ہے) اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کو زندگی بھر وہاں دوبارہ لوٹ آنے کا موقع نہیں ملتا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ہر روز ستر ہزار کی تعداد میں بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں مگر قیامت تک کسی کو دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملے گا۔

جس طرح زمین پر بیت اللہ شریف کا لوگ طواف کرتے ہیں اور وہاں نمازیں پڑھتے ہیں، اسی طرح بیت المعمور کا طواف اللہ کے فرشتے کرتے ہیں اور وہاں دیگر عبادات بجالاتے ہیں۔

جنّت اور دوزخ کی باڑ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوٰتِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جنّت کو مشکلات کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے یعنی جنّت کے گرد مشکلات کی باڑ لگادی گئی ہے اور دوزخ کے اردگرد خواہشات کی باڑ لگادی گئی ہے۔

مطلب یہ کہ جنّت حاصل کرنے کے لیے بہت سی مشکلات کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی پڑتی ہے۔ حلال و حرام میں تمیز رکھنی پڑتی ہے۔ برائی سے بچ کر نیکی کا راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے تب جاکر جنّت کا حصول ممکن ہوتا ہے اس کے برخلاف دوزخ کے اردگرد خواہشات کو رکھ دیا گیا ہے یعنی دوزخ کے اردگرد ایسی مرغوب چیزیں رکھ دی گئی ہیں کہ انسان خواہ مخواہ انکی طرف مائل ہوتا ہے اور بالآخر دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔

متعدی بیماری اور شگون

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَیُعْجِبُنِی الْفَالُ قَالُوْا یَا نَبِیَّ اللّٰهِ مَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انس بن مالک رضؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ بیشک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کوئی متعدی بیماری ہے، نہ شگون ہے اور مجھے تو فال پسند ہے۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت! فال کیا چیز ہے؟ فرمایا اچھا کلمہ جو کسی کی زبان سے سُن کر دل خوش ہو جاتے۔

عام مشہور ہے کہ بعض بیماریاں مثلاً ہیضہ، چیچک، خارش، طاعون وغیرہ متعدی بیماریاں ہیں جو ایک مریض سے دوسرے کو لگ جاتی ہیں مگر حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ کوئی بھی بیماری متعدی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ نے جس جان کو پیدا کیا ہے اس کے ساتھ اس کے تمام عوارضات بھی لکھ دیئے ہیں جو اس کو زندگی میں پیش آتے ہیں لہذا متعدی بیماری کا اعتقاد درست نہیں ہے۔

اسی طرح فرمایا وَلَا طِیَرَةَ اور شگون لینے کا عقیدہ بھی درست نہیں ہے بعض پرندے کو اڑا کر یا کسی دوسرے طریقے سے اچھا یا بُرا شگون لیتے ہیں، یہ عقیدہ باطل ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے اَلطِّیَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ یعنی شگون لینا شرک کے مترادف ہے۔ انسان کو محض کسی بُرے شگون کی بناء پر کوئی کام روک نہیں دینا چاہیئے بلکہ اسے جاری رکھنا چاہیئے۔ جاہلیت کے زمانے میں اس قسم کے شگون لیے جاتے تھے کہ کوئی شخص سفر پر روانہ ہوا ہے اگر سامنے سے بلّی گزر گئی تو یہ واپس آجاتا کہ یہ سفر نامراد ہے اس قسم کی باتیں محض وہم ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بعض لوگ پرندے اڑا کر شگون لیتے تھے اگر پرندہ دائیں طرف اڑا تو اسے اچھا شگون سمجھتے، اور مطلوبہ کام کر گزرتے اور اگر بائیں طرف

اُڑ جاتا تو بُرا شگون سمجھ کر اس کام کو ترک کر دیا جاتا۔

ہمارے ہاں فال سے وہ فال مراد لی جاتی ہے جس کے ذریعے نجومی لوگ اٹکل پچو باتیں بتلاتے ہیں بعض لوگ نقش سلیمانی، دیوان حافظ یا ہیر رانجھے وغیرہ کی کتاب سے یا مثنوی سے فال نکالتے ہیں۔ بعض اس کام کے لیے قرآن مجید کو استعمال کرتے ہیں۔ اس قسم کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فال کی تعریف میں فرمایا کہ وہ اچھا کلمہ ہے جو کسی کی زبان سے سن کر آدمی کا دل خوش ہو جائے۔

ہر نماز کے لیے تازہ وضو

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَأَلْنَاهُ عَنِ الْوُضُوْءِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ فَقَالَ اَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَاَمَّا نَحْنُ فَكُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوٰتِ بِطُهُوْرٍ وَاحِدٍ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انسؓ کے شاگردوں نے آپ سے وضو کا مسئلہ دریافت کیا کہ کیا ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا ضروری ہے یا اگر پہلا وضو قائم ہو تو اسی کے ساتھ اگلی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اس پر حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کَانَ یَتَوَضَّأُ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ یعنی خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے البتہ ہم لوگ کئی کئی نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کر لیتے تھے۔

وضو کا مسئلہ اسی طرح ہے کہ اگر کسی شخص کا وضو جو اس نے فجر کی نماز کے لیے کیا ہے، عشاء تک نہیں ٹوٹتا تو وہ پانچوں نمازیں ایک ہی وضو کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ البتہ معذور لوگوں کو ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایسے شخص کا وضو دورانِ نماز ٹوٹ جائے تو اس کے لیے اسی طرح نماز پڑھنا روا ہے۔ ہاں، اگر فضیلت کے لیے دوبارہ وضو کر لیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام وضو کی موجودگی میں بھی تازہ وضو کر لیتے تھے۔ آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک طہارت کے ساتھ کوئی عبادت کر لی ہے اور پھر دوسری عبادت کے لیے وضو کی موجودگی میں دوبارہ وضو کرتا ہے تو اس کو دس گنا مزید اجر ملے گا۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک روز ایک ہی وضو سے تمام نمازیں ادا کیں۔ جب حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ بھی روا ہے۔ البتہ فضیلت اسی میں ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے۔

★

موت سخت ترین چیز ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَلْقَ ابْنُ اٰدَمَ شَيْئًا قَطُّ خَلَقَهُ اللّٰهُ اَشَدُّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ثُمَّ اِنَّ الْمَوْتَ لَاَهْوَنُ مِمَّا بَعْدَهٗ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انس بن مالکؓ روایت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں سے موت سے زیادہ سخت کسی چیز سے نہیں ملا۔ انسان کو روزمرّہ زندگی میں جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے ان میں سخت ترین چیز موت ہے کیونکہ اس کے واقع ہونے پر انسانی زندگی کا نظام ہی ختم ہو جاتا ہے انسان اپنی زندگی میں بہت سے حوادثات اور عوارضات سے دوچار ہوتا ہے، اسے بڑی بڑی تکالیف اور بڑی بڑی راحتیں بھی پہنچتی ہیں مگر موت ان سب سے بڑھ کر ہے اس جیسی فیصلہ کن چیز انسان کے لیے اور کوئی نہیں ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے ثُمَّ اِنَّ الْمَوْتَ لَاَهْوَنُ مِمَّا بَعْدَهٗ۔ پھر موت کے بعد جو حالات پیش آئیں گے ان کے مقابلے میں موت ایک ہلکی چیز محسوس ہوگی مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو موت سخت ترین چیز ہے مگر اس کے بعد جو برزخ کی منزل، عذابِ قبر اور پھر آخرت میں محاسبہ کا عمل اور اس کے نتیجے میں دائمی عذاب وغیرہ ایسی چیزیں جن کے مقابلے میں موت بھی ایک معمولی چیز معلوم ہوگی۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے دنیا اور آخرت کا نقشہ نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

امانت اور عہد کی پاسداری

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا موقع آیا ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے ہم سے خطاب کیا ہو مگر اس بات کا ذکر نہ کیا ہو۔ یعنی آپ اس حقیقت کا بکثرت ذکر فرمایا کرتے تھے کہ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ جس میں امانت و دیانت کی خصلت نہیں پائی جاتی اس کا ایمان مفقود ہے ظاہر ہے کہ جس شخص کو امانت کا پاس نہیں اور وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے اس میں ایمان کہاں ہوگا؟ نیز فرمایا وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ جو شخص اپنے عہد و پیمان کے ساتھ وفا نہیں کرتا اس کا دین ہی نہیں ہے، گویا کہ وہ ایک بے دین شخص ہے۔ حضور علیہ السلام نے امانت اور عہد کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور ان چیزوں کی عدم موجودگی میں انسان کے ایمان اور دین کو مشکوک قرار دے دیا ہے، گویا امانت اور عہد کا ایمان اور دین کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔

امام سے سبقت کرنے کی ممانعت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انس بن مالک رضؓ لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! اِنِّيْ اِمَامُكُمْ میں دوران نماز تمہارا امام ہوں، تم میری اقتدا میں نماز پڑھتے ہو فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ پس رکوع، سجود اور قیام میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو بلکہ امام کے پیچھے پیچھے رہو اور نماز کا ہر رکن امام کے ادا کرنے کے بعد ادا کرو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ اَمَامِيْ وَخَلْفِيْ کیونکہ میں تمہیں آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی۔ گویا آپ کو دوران نماز آگے کی طرح پیچھے بھی نظر آتا تھا۔ چنانچہ اگر صف میں کوئی خرابی ہوتی تو آپ اس کی نشاندہی کر دیتے۔ البتہ نماز کے بعد ایسی حالت نہیں ہوتی تھی نیز فرمایا۔ وَاَيْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان ہے لَوْ رَاَيْتُمْ مَا رَاَيْتُ اگر تم بھی وہ چیز دیکھ لو جو میں دیکھتا ہوں لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا تو تم ہنسو تھوڑا اور رؤو زیادہ۔ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ پھر لوگوں نے عرض کیا، حضورؐ! مَا رَاَيْتَ آپ کیا دیکھتے ہیں یعنی وہ کون سی چیز ہے جو آپ کی ذات مبارکہ کو نظر آتی ہے اور اگر ہم بھی دیکھ لیں تو ہنسی کم ہو کر رونے میں اضافہ ہو جائے۔ قَالَ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ آپ نے فرمایا کہ میں جنت اور دوزخ کو دیکھتا ہوں۔ اگر تم دوزخ کی شدت کو دیکھ لو تو ہنسنا ترک کر دو اور اکثر دوزخ کے خوف سے روتے رہو۔

راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَتْ شَجَرَةٌ فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ تُؤْذِی النَّاسَ فَاَتَاهَا رَجُلٌ فَعَزَلَهَا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَدْ رَاَیْتُهٗ یَتَقَلَّبُ فِیْ ظِلِّهَا فِی الْجَنَّةِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد سوم صفحہ ۱۵۴)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے راستے میں ایک درخت تھا جو گزرنے والے لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔ پھر ایک شخص وہاں آیا تو اس نے اس درخت کو راستے سے ہٹادیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی خاردار درخت یا جھاڑی ہو گی جس کے کانٹے آنے جانے والے مسافروں کو چبھتے ہوں گے یا اس درخت کی وجہ سے کوئی دیگر اذیت پہنچتی ہو گی اگر وہ بڑا درخت تھا تو ہو سکتا ہے کہ گزرتے وقت شتر سواروں کے راستے میں حائل ہوتا ہو یا اگر کوئی جھاڑی تھی تو پیدل چلنے والوں کے کپڑے اس سے الجھتے ہوں۔ بہر حال وہ تکلیف دہ درخت تھا جسے کسی شخص نے وہاں سے ہٹا دیا جس کی وجہ سے مسافروں کی تکلیف رفع ہو گئی۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو اس شخص کی یہ نیکی اس قدر پسند آئی کہ اسے جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمادیا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اس شخص کو دیکھا یَتَقَلَّبُ فِیْ ظِلِّهَا فِی الْجَنَّةِ کہ وہ اس درخت کے سائے میں جنّت میں چہل قدمی کر رہا تھا۔

دوسری حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے کلمہ توحید کو ادا کرے اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹادے تاکہ گزرنے والے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اگرچہ یہ معمولی عمل ہے مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو اس ادنیٰ سے عمل پر جنّت

کا ملکہ عطا فرما دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو یہی صلہ عطا کیا جس نے اس درخت کی تکلیف دہ شاخوں کو کاٹ دیا تھا یا راستے کو کانٹوں وغیرہ سے صاف کر دیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! مجھے کوئی ایسی بات بتا دیں جو میرے لیے مفید ہو تو آپ نے فرمایا۔ اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ یعنی تمہارے لیے یہ بہت فائدہ مند عمل ہے کہ مسلمانوں کے راہ گزر سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دو۔ یہاں پر تکلیف دہ چیز کے طور پر درخت کا ذکر کیا گیا ہے تاہم راستے میں کوئی اینٹ، روڑا یا پتھر ہو، کوئی گڑھا ہو یا کسی پھل کے چھلکے ہوں جن سے آدمی پھسل سکتا ہے تو یہ ساری چیزیں اس ضمن میں آتی ہیں اور ان کو راستے سے ہٹا دینا اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ سے جنت مل سکتی ہے۔

نماز کیلئے صف بندی کی تاکید

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاصُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ تَقُوْمُ فِی الْخَلَلِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! صفوں کو جوڑ کر رکھا کرو کیونکہ ان کی دراڑوں میں شیطان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ نماز با جماعت کے لیے صفیں بنانے کا ذکر ہے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ مل کر کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی تاکہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی رخنہ باقی نہ رہے اگر درمیان میں کوئی دراڑ رہ جاتے تو شیاطین اس میں گھس کر وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور اس طرح نمازی کی نماز میں خلل اندازی کا موجب بنتے ہیں۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے صف کو سیدھا کرنے کی بھی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہماری صفوں کو اس طرح درست فرمایا کرتے تھے کَاَنَّمَا یُسَوِّیْ بِھَا الْقِدَاحَ گویا کہ ان کے ذریعے تیر درست کیے جاتے تھے۔ بہر حال صف کی تکمیل نماز کی خوبی اور اس کی مقبولیت کی علامت ہے اگر صف کا اہتمام نہ کیا جائے تو نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

زرد رنگ کے استعمال کی ممانعت

عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ دَخَلَ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ صُفْرَۃٌ فَکَرِہَہَا .... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

حضرت سلم علویؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے زرد رنگ کا کپڑا پہنا ہوا تھا گویا کہ اس کے جسم پر زردی پڑی ہوئی تھی۔ پھر جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے اپنے بعض صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص کو سمجھا دو کہ اگر یہ زرد رنگ نہ استعمال کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا۔ آپ نے یہ تاکید دو یا تین دفعہ فرمائی۔ حضرت انسؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی شخص کو رو در رو کوئی ایسی بات نہیں کہتے تھے جو اس کو ناگوار گزرے۔

زرد یا زعفرانی رنگ مردوں کے لیے جائز نہیں ہے البتہ عورتوں کے لیے جائز ہے مگر احرام کی حالت میں ان کے لیے بھی روا نہیں یہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا اظہار تھا کہ آپ نے متعلقہ شخص کو براہ راست زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ وہ ایک اوپرا آدمی تھا اور ہو سکتا تھا کہ وہ اس بات سے ناگواری محسوس کرتا لہٰذا آپ نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اس شخص کو سمجھا دو کہ زرد رنگ کا استعمال مکروہ ہے۔

شکر کی برکات

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَآئِلٌ فَاَمَرَ لَہٗ بِتَمْرَۃٍ فَلَمْ یَاْخُذْھَا اَوْ وَحَشَ بِھَا قَالَ وَ اَتَاہُ اٰخَرُ فَاَمَرَ لَہٗ بِتَمْرَۃٍ قَالَ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ تَمْرَۃٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے سوال کیا تو حضور علیہ السلام کے پاس اس وقت کھجور کا ایک ہی دانہ تھا جو آپؐ نے اسے عنایت فرمایا مگر اس شخص نے لینے سے انکار کر دیا یا اسے واپس کر دیا گویا کہنے لگا کہ میں کھجور کا ایک دانہ لے کر کیا کروں گا؟ کچھ دیر کے بعد ایک دوسرا آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو بھی کھجور کا ایک دانہ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا سبحان اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کھجور کا ایک دانہ بھی میرے لیے بہت ہے گویا اس نے ایک دانے کی بھی قدر دانی کی اور اللہ تعالےٰ کی تعریف بیان کی۔ حضور علیہ السلام نے اس شخص کی اس شکر گزاری کو بہت پسند فرمایا اور اسی وقت لونڈی سے کہا کہ ام المؤمنین اُمّ سلمہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم نے کسی خاص مقصد کے لیے جو چالیس درہم رکھے ہوتے ہیں وہ دے دو۔ لونڈی جا کر چالیس درہم لے آئی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کو دے دیئے۔

پہلے سائل نے کھجور کے ایک دانے کو ٹھکرا دیا لہٰذا وہ محروم رہا دوسرے شخص نے ایک دانہ نہ صرف قبول کیا بلکہ اس پر اللہ تعالےٰ کا شکر بھی ادا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک سے پاکر اسے بابرکت جانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے چالیس درہم دلوا دیئے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ کا

یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ (ابراھیم ۷)

اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں مزید دوں گا اور اگر ناشکری اور ناقدری کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

بن دیکھے ایمان لانے کی فضیلت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَرَاٰنِيْ وَطُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَلَمْ يَرَانِيْ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد سوم صفحہ ۱۵۵)

حضرت انسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا اور مجھے دیکھا اس سے بڑھ کر کسی شخص کے لیے کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اسے صحابی رسول ہونے کا درجہ حاصل ہو جاتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا مگر اس نے مجھے دیکھا نہیں۔ ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ اس کے لیے سات مرتبہ خوشخبری ہے۔ اس شخص کے لیے سات گنا فضیلت اس وجہ سے ہے کہ پتہ نہیں اس نے کن حالات اور مشکلات کے باوجود ایمان قبول کیا۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بن دیکھے ایمان لانے والوں کی زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

حضور علیہ السّلام کے صحابی اور بھائی

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُّ اَنِّيْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ فَقَالَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَلَيْسَ نَحْنُ اِخْوَانُكَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَلٰكِنْ اِخْوَانِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں نے اپنے بھائیوں سے ملاقات کی ہوتی۔ اس پر آپ کے صحابہ نے عرض کیا، حضورؐ! کیا ہم لوگ آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو میرے صحابی (ساتھی) ہو جن کو میری رفاقت نصیب ہے۔ میرے بھائی وہ بعد میں آنے والے لوگ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا تو نہیں مگر پھر بھی مجھ پر ایمان لائے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضور علیہ السّلام کا زمانہ پایا وہ آپ کے صحابی ہیں اور جو قیامت تک بعد میں آنے والے ایماندار لوگ ہیں وہ آپ کے بھائی ہیں۔

بیماری اجر و ثواب کا ذریعہ ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اِنَّ امْرَاَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنَتِيْ كَذَا وَكَذَا ذَكَرَتْ مِنْ حُسْنِهَا وَجَمَالِهَا............ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انس؄ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور! کہ میری ایک بیٹی ایسی ہے۔ پھر اس عورت نے اپنی بیٹی کے حسن وجمال اور خوبیوں کا ذکر کیا کہ وہ بڑی خوبصورت ہے۔ فَاٰثَرْتُكَ بِهَا اور میں یہ بیٹی آپ کو دینے کو ترجیح دیتی ہوں تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ فَقَالَ قَدْ قَبِلْتُهَا حضور علیہ السلام نے فرمایا بہت اچھی بات ہے فَلَمْ تَزَلْ تَمْدَحُهَا حَتّٰى ذَكَرَتْ اَنَّهَا لَمْ تَصْدَعْ وَلَمْ تَشْتَكِ شَيْئًا قَطُّ پھر وہ عورت اپنی بیٹی کی برابر خوبیاں بیان کرتی رہی حتیٰ کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کی بیٹی کو کبھی درد سر اور بیماری بھی لاحق نہیں ہوئی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْ اِبْنَتِكِ مجھے تیری بیٹی کی کچھ ضرورت نہیں ہے مطلب یہ کہ میں ایسی عورت سے نکاح نہیں کرنا چاہتا جس کو زندگی بھر کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔ بیماری یا کسی تکلیف کا نہ آنا ثواب میں کمی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب کسی ایماندار شخص کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کر کے اس کو برداشت کرتا ہے اس کے ازالے کے لیے صحیح طریق کار اختیار کرتا ہے تو اللہ کے ہاں اسے بڑا اجر ملتا ہے جس شخص کو کوئی تکلیف یا بیماری نہیں آئی اس میں کوئی خوبی نہیں۔ ایسا شخص اللہ کی رحمت بخشش اور مہربانی کا اس قدر مستحق نہیں بنتا جس قدر تکلیف اور مصائب کو برداشت کرنے والا آدمی بنتا ہے۔ انسان کو پہنچنے والی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ جب ایسا شخص اپنا عقیدہ درست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا۔ بہر حال کسی مصیبت، تکلیف، پریشانی یا بیماری کا لاحق ہونا ایک ایماندار آدمی کے لیے باعثِ رحمت ہوتا ہے کیونکہ یہ تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

قرآن کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنانا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ خَرَجَ اِلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِيْكُمْ خَيْرًا مِّنْكُمْ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انسؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بیشک تمہارے اندر تم سے بہتر شخصیت یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں یہی الفاظ سورہ الحجرات میں بھی ہیں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (آیت ۔ ۷) جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں بہر حال فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ کی موجودگی میں غلطی کرو گے یا کوئی برا کام کرو گے تو وہ نہایت قبیح ہوگا۔

فرمایا رسول کی موجودگی تو فخر اور فضیلت کی بات ہے وَتَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اور تم اللہ رب العزت کی کتاب قرآن پاک کو پڑھتے ہو۔ فِيْكُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ وَالْعَرَبِيُّ وَالْعَجَمِيُّ تم میں سرخ لوگ بھی ہیں اور سفید بھی اور عربی بھی ہیں عجمی بھی یعنی آپ کی امت میں ہر رنگ و نسل کے لوگ موجود ہیں۔ وَسَيَاْتِيْ زَمَانٌ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا يَقْرَءُوْنَ فِيْهِ الْقُرْاٰنَ کہ لوگ قرآن پاک کو پڑھیں گے يَتَثَقَّفُوْنَهٗ كَمَا يُتَثَقَّفُ الْقِدْحُ وہ قرآن کو اس طرح ٹھیک کریں گے جیسا کہ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے یعنی ان کی طرف سے قرآن کے الفاظ کی درستگی نہایت اچھی ہوگی حسنِ قراءت کا خوب چرچا ہوگا، حروف و الفاظ کی ادائیگی کمال درجے کی ہوگی، ان کی آواز بھی نہایت سریلی ہوگی، بے سمجھ لوگ واہ واہ کے ڈونگرے بھی برسائیں گے مگر قرآن کی حقیقت، اس کے معانی اور مطالب کو سمجھنے سے قاصر ہوں گے۔ مگر يَتَعَجَّلُوْنَ اُجُوْرَهُمْ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهَا وہ اس قرآن کو دنیا کے کھانے پینے کا ذریعہ بنالیں گے۔

لفظی معنیٰ یہ کہ وہ اس کا بدلہ فوراً حاصل کرلیں گے اور اس کو آخرت کے لیے نہیں رہنے دیں گے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہورہی ہے۔ جگہ جگہ مجالس حسن قرأت منعقد ہورہی ہیں۔ قاری حضرات الفاظ کی ادائیگی خوب طریقے سے کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ نوٹوں کی بارش بھی ہوتی رہتی ہے۔ گویا وہ تلاوت قرآن کا معاوضہ فوراً ہی حاصل کرلیتے ہیں اور آخرت کے اجر و ثواب کے لیے کچھ نہیں چھوڑتے غرضیکہ حضور علیہ السلام نے قرآن کو ذریعہ معاش بنانے کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

اشعری قبیلے کے لوگوں کی آمد

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْدَمُ عَلَیْکُمْ غَدًا اَقْوَامٌ ھُمْ اَرَقُّ قُلُوْبِھِمْ بِالْاِسْلَامِ مِنْکُمْ .... (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انس بن مالکؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جن کے دل اسلام کے لیے تمہاری نسبت زیادہ نرم ہوں گے ظاہر ہے کہ اللہ نے آپ کو مذکورہ لوگوں کے آنے کی خبر دے دی ہوگی جس کی بنا پر آپ نے یہ پیش گوئی فرمادی کہ کل اس قسم کے لوگ آنے والے ہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق فَقَدِمَ الْاَشْعَرِیُّوْنَ فِیْھِمْ اَبُوْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیُّ اگلے دن اشعری قبیلہ کے لوگ آئے جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی شامل تھے۔ فَلَمَّا دَنَوْا مِنَ الْمَدِیْنَۃِ جب یہ لوگ قافلہ کی صورت میں مدینہ کے قریب پہنچے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر تھا۔ ؎

غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ   مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ

کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے جا ملیں گے دراصل یہ لوگ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ مدینہ آرہے تھے تاکہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض حاصل کرسکیں اور وہ اس خوشی میں مذکورہ شعر کہہ رہے تھے۔

حضرت انسؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں فَلَمَّا اَنْ قَدِمُوْا جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچ گئے تَصَافَحُوْا تو وہ لوگوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ ہر ملنے والے کے ساتھ ذوق و شوق سے ہاتھ ملاتے تھے فَکَانُوْا ھُمْ اَوَّلَ مَنْ اَحْدَثَ الْمُصَافَحَۃَ

پس یہ اولین لوگ تھے جنہوں نے مصافحے کا طریقہ ایجاد کیا۔

اس حدیث سے اہل ایمان کا حضور علیہ السّلام اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے پیار و محبّت سے بھرپور مصافحہ کا طریقہ جاری کیا۔

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کا اجر

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا يَفُوْتُهٗ صَلٰوةٌ كُتِبَتْ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ نَجَاةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد سوم صفحہ ۱۵۵)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں ادا کیں اس حالت میں کہ اس کی کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو، اس کے لیے دوزخ کی آگ سے برات، عذاب سے خلاصی اور نفاق سے برات لکھ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مسجد کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے یہ وہی مسجد نبوی ہے جس کے لیے جگہ حضور علیہ السلام نے اپنی گرہ سے پیسے دے کر خریدی اپنے دست مبارک سے اس کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں گارا اور پتھر وغیرہ اٹھا کر خود بھی حصہ لیا۔

حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ بیت المقدس اور مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری جگہ پر ادا کی جانے والی پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوتا ہے، اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ یہ تینوں مساجد خصوصی فضیلت کی حامل ہیں اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةٍ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔ یعنی ان مسجدوں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور کا بطور خاص قصد نہ کرو مطلب یہ کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد میں اس نیت اور ارادے سے مت جاؤ کہ وہاں پر نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہوگا۔ حقیقت یہ

ہے کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ باقی تمام مسجدیں اجر و ثواب کے لحاظ سے برابر ہیں صرف ان تین مسجدوں میں نماز پڑھنے کا اجر اللہ نے بہت زیادہ رکھا ہے خاص طور پر مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کی لگاتار ادائیگی سے ایک مومن آدمی کیلئے دوزخ آخرت کے عذاب اور نفاق سے برات لکھ دی جاتی ہے۔

اذان اور اقامت کے درمیان دعا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَآءَ لَا یُرَدُّ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ فَادْعُوْا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیانی وقت میں دعا رد نہیں کی جاتی لہذا اس وقت میں دعا کیا کرو۔

دعا کی قبولیت کے بعض دیگر اوقات بھی احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً فرض نماز کے بعد اور قرآن مجید ختم کرنے کے بعد آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جہاد فی سبیل اللہ دورانِ بارش اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑنے کے اوقات میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رات میں ایک خاص وقت ہوتا ہے جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی بھلائی مانگے اللہ اس کو ضرور عطا فرمائے گا۔ اسی طرح دعا کی قبولیت کے لیے بعض مقامات کا ذکر بھی آتا ہے جیسے ملتزم، میزابِ رحمت، صفا و مروہ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ۔ الغرض حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کا درمیانی وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

جنّت کا سوال اور دوزخ سے پناہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَاَلَ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ الْجَنَّةَ ثَلَاثًا اِلَّا قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَلَا اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ مُسْتَجِيْرٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِلَّا قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵)

حضرت انس بن مالکؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مسلمان آدمی اللہ سے تین مرتبہ جنّت کا سوال کرتا ہے تو جنّت بھی اس کے حق میں سفارش کرتی ہے کہ مولا کریم! اس شخص کو جنّت میں داخل کر دے۔ پھر فرمایا، جو شخص مسلمان اخلاص کے ساتھ تین مرتبہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتا ہے تو جہنم بھی اس کے حق میں سفارش کرتی ہے کہ پروردگار! اس کو اس مقام سے بچالے۔

اس حدیث شریف سے دعا کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ کسی شخص کے حق میں کس قدر مفید ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے۔ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ درِاصل دعا عبادت ہی ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی عمل عزیز نہیں ہے۔

آنکھوں کا ضیاع اور اُس کا اجر

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعُوْدُ زَيْدَ ابْنَ اَرْقَمَ وَهُوَ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ فَقَالَ لَهٗ يَا زَيْدُ لَوْ كَانَ بَصَرُكَ لِمَا بِهٖ كَيْفَ كُنْتَ تَصْنَعُ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶)

حضرت انس بن مالک رضی بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھا ہم زید بن ارقم رضی کے ہاں گئے ان کی بیمار پرسی کے لیے اور وہ آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا تھے پس حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا، اے زید رضی! اگر اس تکلیف کی وجہ سے تمہاری بینائی ہی چلی جائے تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں اِذاً اَصْبِرُ وَاَحْتَسِبُ میں صبر کرونگا اور اللہ تعالےٰ سے اجر کا طالب ہونگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنْ كَانَ بَصَرُكَ لِمَا بِهٖ ثُمَّ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ لَتَلْقَيَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَيْسَ لَكَ ذَنْبٌ۔ کہ اگر تمہاری آنکھیں اس تکلیف کی وجہ سے ضائع ہو جائیں اور تم صبر کرو، اور اللہ سے اجر طلب کرو، تو تم اللہ تعالےٰ سے ایسی حالت میں ملو گے کہ تمہارے ذمے کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

یہ زید بن ارقم رضی وہی جلیل القدر صحابی ہیں کہ مکی زندگی میں ابتلا کے دور میں حضور علیہ السلام اور آپ کے رفقاء انہیں کے گھر میں درپردہ نمازیں ادا کیا کرتے تھے اور آپس میں صلاح مشورہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ انہیں کو آپ نے بشارت دی کہ آنکھیں ضائع ہو جانے کی صورت میں اگر آدمی صبر کرے اور اللہ سے ثواب کا طالب گار ہو تو اللہ تعالےٰ اس کے تمام گناہ معاف کر کے اسے پاک صاف فرما دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی ہی سے دوسری روایت اس طرح آتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِذَا اَخَذْتُ بَصَرَ عَبْدِیْ فَصَبَرَ عَلَيْهِ وَاحْتَسَبَ

فَعَوَّضْتُهُ عِنْدِی الْجَنَّۃُ یعنی جب میں اپنے کسی بندے کی آنکھیں لے لوں پھر وہ اس پر صبر کرے اور اللہ سے اجر طلب کرے تو میرے نزدیک اس کا بدلہ جنّت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ میں ایسے شخص کو جنّت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہونگا۔

آنکھوں کی بیماریاں قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگوں کی بینائی بالکل ضائع ہو جاتی ہے ان بیماریوں کا علاج بھی قدیم زمانے سے ہوتا آ رہا ہے تاہم جدید دور میں سرجری نے بہت ترقی کر لی ہے اور اب عام طور پر آنکھوں کا علاج بذریعہ آپریشن کیا جاتا ہے جس سے انسان کی بینائی عام طور پر بحال ہو جاتی ہے اب جراحت نے اس حد تک ترقی کر لی ہے کہ ایک انسان کے بعض اعضاء دوسرے آدمی کو منتقل کئے جا سکتے ہیں چنانچہ اب آنکھوں کا انتقال بھی دنیا میں ہو رہا ہے بعض لوگ مرتے وقت وصیّت کر جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد اس کی آنکھیں کسی نابینا کو عطیہ کے طور پر منتقل کر دی جائیں تاکہ اس کی بینائی بحال ہو سکے۔ بظاہر تو اس کو انسانی ہمدردی کا نام دیا جاتا ہے مگر یہ چیز شرفِ انسانیّت کے خلاف ہے اگر آنکھیں عطیہ کے طور پر دی جا سکتی ہیں تو پھر دیگر اعضاء دل، خصیئے، گردے وغیرہ بھی دیئے جا سکتے ہیں اور اگر کسی مردہ کے بیشتر اعضاء دوسروں کو منتقل کر دیئے جائیں تو پھر انسانیّت کا کیا باقی بچے گا اسلام نے تو ایک عورت کے بال بھی دوسری کو منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی چہ جائیکہ جسمانی اعضاء ہی منتقل کر دیئے جائیں۔ آج کل وِگ لگانے کا رواج ہے۔ اگر کسی عورت کے بال چھوٹے ہیں یا کوئی مرد گنجا ہے تو وہ دوسروں کے بالوں سے بنی ہوئی وِگ لگا لیتا ہے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ عورت سوتی ریشمی یا نائیلون کا پراندہ تو استعمال کر سکتی ہے مگر کسی دوسری عورت کے بال اپنے بالوں کے ساتھ نہیں جوڑ سکتی۔

بعض لوگ اعضاء کی منتقلی کا جواز خون کی منتقلی کے جواز سے کرتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ خون تو بجائے خود حرام ہے۔ اللہ نے دمِ مسفوح کی واضح طور پر حرمت بیان فرمائی ہے۔ ہاں البتہ اضطراری حالت میں بقدرِ ضرورت ایک آدمی کا خون دوسرے کو منتقل کرنے

کی گنجائش ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں جب ماہر ڈاکٹر کی رائے یہ ہو کہ اس کے بغیر مریض کا علاج ممکن نہیں اور اس کے متبادل کوئی دوائی نہیں ہے۔ انتقال خون کا جواز ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو تو کسی حلال چیز کی عدم موجودگی میں جان بچانے کے لیے وہ شراب، مردار یا نذر لغیر اللہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔

بہر حال انسانی اعضاء کا انتقال روا نہیں ہے۔ نابیناؤں کے ساتھ ہمدردی دوسرے طریقوں سے بھی کی جا سکتی ہے اور اس کی مثالیں مسلمانوں کی تاریخ میں موجود ہیں۔ نابینا علماء نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان کی علمی اور تحقیقی کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ تاریخ فخری والے نے بیان کیا ہے کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانے میں اسلامی سلطنت عرب کے علاوہ خراسان اور افریقہ تک وسیع تھی کہتے ہیں کہ اتنی وسیع و عریض سلطنت میں کوئی ایک بھی نابینا آدمی ایسا نہیں تھا جس کے لیے حکومت کی طرف سے رہبر (Guide) مقرر نہ کیا گیا ہو۔ ان کی گزر اوقات کے لیے وظائف مقرر تھے۔ اگر کوئی علم حاصل کرنا چاہتا تو اسے ہر قسم کی سہولت مہیا کی جاتی۔ مقصد یہ کہ نابیناؤں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے علم و ہنر سیکھنے کے مواقع فراہم کئے جاتے تاکہ وہ بھی باعزت زندگی گزار سکیں۔ یہ کام آج بھی ہو سکتا ہے۔ ہمدردی محض یہی تو نہیں کہ انہیں آنکھوں یا کسی دیگر عضو کا عطیہ دے دیا جائے۔ یہ شریعت کا اتباع نہیں بلکہ کافروں، انگریزوں اور دہریوں کی تقلید ہے۔ ہماری شریعت نے نابیناؤں کو صبر و شکر کی تعلیم دی ہے اور اگر اس کے بدلے میں انہیں ہمیشہ کے لیے جنت مل جائے تو اس سے اچھا کون سا سودا ہو سکتا ہے؟ اگر بینائی دوبارہ مل جائے تو کیا یقین ہے کہ ایسا شخص اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے نیکی کا راستہ اختیار کرے گا، قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ کریگا یا وہی کھیل تماشے اور فحش فلمیں دیکھا کریگا۔ بہر حال اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ اس قسم کے معذور لوگوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی حفاظت کا بندوبست کریں۔

جہاد فی سبیل اللہ کا اجر

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

حضرت حمیدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں صبح کا تھوڑا سا وقت یا پچھلے پہر کا تھوڑا سا وقت لگانا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے اور دن کا ایک مختصر سا حصہ بھی اس کام میں لگا دیا جائے تو یہ دنیا کے سارے ساز و سامان سے زیادہ بہتر ہے۔

فی سبیل اللہ میں وہ تمام کام آجاتے ہیں جن سے دین کی اقامت مقصود ہوتی ہے۔ جہاد کے مختلف شعبے ہیں جن میں سے تبلیغ دین بھی ایک ہے۔ دینی تعلیم حاصل کرنا حج و عمرہ کرنا بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے لیے نکلتا ہے وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے۔ جب کوئی شخص فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ اللہ کے راستے میں تھوڑا وقت لگانا اس لیے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے کہ اللہ کا فرمان ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ج (النساء - ۷۷)

دنیا کا مال و متاع تو بالکل کم ہے جو جلدی ختم ہو جائے گا مگر مجاہد کی نیکی ہمیشہ قائم رہے گی اور اس کا صلہ ابد الآباد تک ملتا رہے گا۔ دنیا خود عارضی ہے اور ہر شخص کی دنیا تو اس کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور پھر جب قیامت کبریٰ برپا ہو گی تو ساری

دنیا اور اسکی ہر چیز فنا ہو جائے گی جب کہ جہاد فی سبیل اللہ کے صلہ میں ملنے والا اجر و ثواب ہمیشہ قائم رہے گا، لہٰذا یہ دنیا اور ما فیہا سے بہر حال بہتر ہے۔

اگلی حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں لَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْھَا اگر جنّت میں ایک کوڑے (گز ڈیڑھ گز) کی جگہ بھی مل جائے تو یہ ساری دنیا اور اس کے مال و اسباب سے بہتر ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور ان کی خوبی اور کمال پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ جنت کی نعمتوں میں سے آپ نے مثال کے طور پر فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّ امْرَاَۃً مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اطَّلَعَتْ اِلَی الدُّنْیَا اگر جنّت کی عورتوں میں سے کوئی عورت دنیا کی طرف جھانک کر دیکھ لے لَمَلَاَتْ مَا بَیْنَھُمَا رِیْحَ الْمِسْکِ وَ اَطْیَبَ مَا بَیْنَھُمَا۔ تو پوری ارض و سما کی درمیانی فضاء کو خوشبو سے بھر دے اور ساری فضا پاکیزہ ہو جائے آپ نے یہ بھی فرمایا وَ لَنَصِیْفُھَا عَلٰی رَاْسِھَا خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْھَا اور جنتی عورت کے سر کا دوپٹہ پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام خزانے اور مال و دولت ایک دوپٹے کی قیمت ادا نہیں کر سکتے جنّت اور اس کی نعمتوں کی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ شان بیان فرمائی ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ لوگ اس دنیا پر ہی ریجھے ہوتے ہیں اور اس کو اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں حالانکہ یہ سب کچھ فانی ہے۔ انسان کی زندگی کے اختتام کے ساتھ ہی ہر چیز ختم ہو جاتی ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر روز کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود دنیا کی محبّت گھٹنے کی بجائے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دنیا کا مال سمیٹ لے، الا ماشاء اللہ۔

ایمان کی حلاوت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ تین چیزیں پائی جائیں وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پائیگا یعنی اس کو مٹھاس کا لطف آئیگا۔ فرمایا پہلی بات یہ ہے اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا۔ کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت باقی ہر چیز سے زیادہ ہو۔ فرمایا دوسری بات یہ ہے اَنْ یَکْرَہَ الْعَبْدُ اَنْ یَرْجِعَ عَنِ الْاِسْلَامِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ۔ کہ کوئی شخص اسلام سے پلٹ جانے کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے اور تیسری بات یہ کہ اَنْ یُحِبَّ الْعَبْدُ الْعَبْدَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ کوئی بندہ دوسرے بندے سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت کرے، کوئی ذاتی مفاد اس کے پیش نظر نہ ہو۔ بندے کی محبت اس کی نیکی اور کمال کی بناء پر ہو۔ ان تین صفات کا حامل انسان ضرور ایمان کی حلاوت محسوس کریگا۔

☆

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی امانتداری

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ وَفْدًا مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ قَدِمُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا يُعَلِّمُنَا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ فَقَالَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَهٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ یمن سے ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجیں جو ہمیں دین کی تعلیم دے سکے، اور مالیات کے معاملات کو بھی درست کر سکے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ہر امت میں کوئی امین آدمی ہوتا ہے اور یہ اس امّت کا امین ترین آدمی ہے جو میں تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے مکی زندگی کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا، آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مکہ میں بڑی تکالیف برداشت کیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں شام میں طاعون کی بیماری سے وفات پائی۔ طاعون کی اسی وبا میں پچیس ہزار آدمی شہید ہوئے جن میں مشہور صحابی معاذ بن جبلؓ بھی شامل ہیں۔ حضورؐ کا یہ بھی فرمان ہے اَلطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔ ہر مومن کے لیے طاعون کی بیماری شہادت کا ذریعہ بنتی ہے کیونکہ اس میں لوگ یکدم ہلاک ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

عذاب قبر کا مشاہدہ

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی بَغْلَۃِ الشَّھْبَاءِ بِحَائِطٍ لِبَنِی النَّجَّارِ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ قَوْمٍ یُعَذَّبُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ فَحَاصَتِ الْبَغْلَۃُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَسَاَلْتُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یُّسْمِعَکُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہابی رنگ کے خچر پر سوار بنی نجار کے ایک باغ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اس باغ میں کچھ قبریں بھی تھیں۔ آپ نے ان قبور کے مردوں کی آوازیں سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا خچر بھی بدکا یعنی بھاگنے کی کوشش کی۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ عذابِ قبر کی آوازیں تمہیں بھی سنوا دے۔ مطلب یہ تھا کہ قبروں میں موجود گنہگاروں کی آوازیں اس قدر خوفناک تھیں کہ تم سن کر دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور اس عذاب کے خوف سے مردوں کو دفن ہی نہ کرتے۔

کافروں اور گنہگار مسلمانوں کے حق میں عذابِ قبر بالکل برحق ہے جو کہ آیات قرآنی اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، لہٰذا اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ بعض لوگ اسے مشاہدے کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کسی قبر کو اکھاڑ کر دیکھا تو وہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ وہاں نہ مردے کو لوہے کے ہتھوڑے پڑتے ہیں، نہ آگ جلاتی ہے، نہ سانپ بچھو دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی قبر سکڑتی ہے جس سے مردے کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو اس مادی جہاں میں رہتے ہیں جب کہ قبر کا

کا تعلق عالمِ برزخ کے ـــــــ ساتھ ہے اور دونوں جہاں کے احکام مختلف ہیں۔ ہم اس جہاں میں رہتے ہوئے دوسرے جہاں کی کیفیات سے آگاہ نہ ہو سکے، اس کا مشاہدہ تو وہیں پہنچ کر ہوگا۔ دوسرے جہاں کی چیزوں کو نہ ان آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ان کانوں سے سنا جاسکتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالےٰ کسی کو کسی خاص طریقے سے مشاہدہ کرادے تو وہ الگ بات ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے تو ہم غیب پر ایمان ہی لاسکتے ہیں مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ گمراہ لوگ ایسی چیزوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ انہیں اپنی ناقص عقل پر پرکھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے تعلق رکھتی ہیں

بیمار پرسی کا اجر و ثواب

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا یَھُوْدِیًّا کَانَ یَضَعُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضُوْءَہٗ وَیُنَاوِلُہٗ نَعْلَیْہِ فَمَرِضَ فَاَتَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَیْہِ وَاَبُوْہُ قَاعِدٌ عِنْدَ رَاْسِہٖ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَافُلَانُ قُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔۔۔۔۔الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

حضرت انسؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا حضور علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا، کبھی وضو کے لیے پانی لاکر رکھ دیتا، کبھی آپ کا جوتا سیدھا کردیتا۔ پھر وہ لڑکا بیمار ہو گیا تو حضور علیہ السلام اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت لڑکے کا یہودی باپ لڑکے کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ بیمار پرسی بلاشبہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے غوطہ زن ہوتا ہے۔ پڑوسی یا واقف کار یا کوئی کاروباری شراکت دار یا رفیق کار اگر غیر مسلم بھی ہو تو اس کی بیمار پرسی کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ اجر عطاء فرماتا ہے۔

بہرحال جب حضور علیہ السلام اس بیمار لڑکے کے پاس پہنچے تو اس کا نام لے کر فرمایا اے فلاں! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلو تاکہ آخرت میں سرخرو ہو جاؤ۔ لڑکے کا باپ متعصب یہودی تھا فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْہِ حضورؐ کی دعوت ایمان سن کر لڑکے نے باپ کی طرف دیکھا کہ وہ اس معاملہ میں کیا کہتا ہے اللہ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کے حق میں یہودی کافروں سے بھی زیادہ سخت دشمن ہیں دین کو تبدیل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ بیٹے کا اشارہ پاکر باپ خاموش رہا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی دعوت دہرائی اور لڑکے نے پھر باپ کی طرف دیکھا۔ اب کی بار باپ نے کہہ دیا اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ کہ بیٹے ابو القاسم یعنی حضور علیہ السلام کی بات مان لو۔ یہ سنتے ہی لڑکے نے کہہ دیا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ میں

گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام وہاں سے چلے آئے اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَجَہٗ بِیْ مِنَ النَّارِ۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اس لڑکے کو میری وجہ سے دوزخ سے بچا لیا اب یہ ایمان پر جا رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دینے کے بعد فوت ہو گیا۔ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ اب اس کے کفن دفن کی ذمہ داری تم پر ہے کیونکہ اللہ نے اس کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت کرنے کی وجہ سے اللہ نے اس لڑکے کو ایمان نصیب فرما کر دوزخ سے بچا لیا۔

معجزہ کثرتِ ماء

عَنْ اَنَسٍ قَالَ حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَامَ جِیْرَانُ الْمَسْجِدِ اِلٰی مَنَازِلِھِمْ یَتَوَضَّؤُنَ وَ بَقِیَ فِی الْمَسْجِدِ نَاسٌ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ مَابَیْنَ السَّبْعِیْنَ اِلٰی ثَمَانِیْنَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَۃٍ فِیْہِ مَاءٌ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ایک مقام پر نماز کا وقت ہو گیا وہاں حضور علیہ السلام کے ساتھ مہاجرین بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ مسجد کے قریب لوگ تو وضو کرنے کے لیے اپنے گھروں میں چلے گئے مگر ستر تا اسی مہاجرین کے لیے وضو کا کوئی انتظام نہیں تھا جب کہ وہ مسجد ہی میں بیٹھے تھے اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی طلب کیا تو آپ کو پتھر کے ایک برتن میں پانی پیش کیا گیا آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس پانی میں رکھ دیا اور کچھ مزید پانی دوسرے برتن میں تھا وہ آپ نے اپنے ہاتھ پر ڈالا اور فرمایا حَیَّ عَلَی الْوُضُوْءِ۔ لوگو! آؤ آکر وضو کر لو۔ لوگ وضو کے لیے آگئے اور ان تمام ۸۰ صحابہ نے اسی پانی سے وضو کیا جب آپ نے تھوڑے سے پانی میں ہاتھ رکھ دیا اور اوپر سے کچھ اور پانی ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی اس طرح پھوٹنے لگا جیسے کسی چشمہ سے پانی پھوٹتا ہے۔ اس پانی سے تمام لوگوں نے وضو کیا اور پھر بھی پورے کا پورا پانی بچ گیا۔

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا کہ اس موقع پر انگلیوں سے پانی نکلنے لگا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے نہ کہ نبی کا۔ اللہ جب چاہے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے، اللہ کا نبی ذاتی طور پر معجزہ پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا جیسا کہ فرمان خداوندی ہے قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَمَا یُشْعِرُکُمْ۔

(الانعام - ۱۰۹) اے پیغمبرؐ! آپ ان کو کہہ دیں کہ نشانیاں ظاہر کرنا تو اللہ تعالےٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جب چاہے نبی کے ہاتھ پر کوئی نشانی یا معجزہ ظاہر کردے مگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ حضور علیہ السلام کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں اللہ نے بشمار معجزات آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے جو صحابہ کرام نے مشاہدہ کئے۔ ان معجزات کا ذکر احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھنے کی کیفیت

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا اِذَا كُنَّا عِنْدَكَ نُحَدَّثُنَا رَقَّتْ قُلُوْبُنَا فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا النِّسَآءَ وَالصِّبْيَانَ وَفَعَلْنَا وَفَعَلْنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تِلْكَ السَّاعَةَ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَيْهَا لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۵)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ حضور ہم لوگ جب آپکے پاس یعنی آپکی مجلس میں ہوتے ہیں اور آپ احادیث بیان کرتے ہیں، مسائل سمجھاتے ہیں تو ہمارے دل بڑے رقیق ہوتے ہیں یعنی ہمارے دلوں کی خاص کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت کا نزول اور دلوں میں سکون پیدا ہوتا ہے مگر جب ہم آپ سے جدا ہو کر گھروں میں جاتے ہیں، عورتوں اور بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں یا کسی کام کاج میں لگ جاتے ہیں، تو اس وقت ہمارے دلوں کی وہ رقت والی کیفیت باقی نہیں رہتی۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ اپنے دلوں کی مختلف کیفیتوں کو محسوس کرتے تھے جو سکونِ قلب انہیں حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھ کر اور آپ کے مواعظ حسنہ سن کر حاصل ہوتا تھا وہ کسی دوسری جگہ میسر نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ ہم کہیں منافق ہی نہ ہو جائیں۔

اس کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہ! میری مجلس میں بیٹھنے کی کیفیت ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ کسی دوسری جگہ پر بھی تمہارے دلوں کی وہی کیفیت رہے جو میرے پاس بیٹھ کر ہوتی ہے تو پھر اللہ کے پاک فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ کریں مگر یہ کیفیت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔

چھینک آنے پر دعا

حَدَّثَنَا اَنَسٌ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدُهُمَا اَوْ قَالَ سَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَ تَرَكَ الْاٰخَرَ فَقِيْلَ هُمَا رَجُلَانِ عَطَسَا فَشَمَّتَّ اَوْ قَالَ فَسَمَّتَّ اَحَدَهُمَا وَتَرَكْتَ الْاٰخَرَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَ اِنَّ هٰذَا لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی مجلس میں دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ان میں سے ایک کو دعا دی اور دوسرے کو دعا نہ دی۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا حضور! چھینک تو دونوں کو آئی تھی مگر آپ نے دعا صرف ایک آدمی کو دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چھینک آنے پر جس شخص نے اللہ کی تعریف بیان کی یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اس کو میں نے دعا دی یعنی یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہا چونکہ دوسرے شخص نے اللہ کی تعریف بیان نہیں کی لہٰذا میں نے اس کے لیے دعا بھی نہیں کی۔ اسی لیے یہ حکم ہے کہ جس کو چھینک آئے وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور جو سنے وہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے۔

سلام پھیلانا اور کھانا کھلانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَافْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ تَدْخُلُوْنَ الْجِنَانَ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صہ ۱۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ تو تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ایک دوسرے کو سلام کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے دوسری جگہ ہے کہ جو بھی سامنے آتے اس کو سلام کرو۔ مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔ تاہم سلام میں پہل کرنے والے کو جواب دینے والے کی نسبت زیادہ اجر حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح محتاجوں کو کھانا کھلانا بھی بہت بڑا عمل ہے اس سے ایک طرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے تو دوسری طرف محتاج کی اعانت بھی ہو جاتی ہے ایک مقام میں تین چیزوں کا ذکر ہے کہ خدائے رحمان کی عبادت کرو، سلام کو پھیلاؤ اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ تو تم جنت میں داخل ہو گے۔ پہلی چیز کا تعلق حقوق اللہ سے اور دوسری دو کا حقوق العباد سے تعلق ہے۔

امت کے بیوقوف لوگ عقلمندوں پر حاوی ہونگے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ حَدَّثَہُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَافَ ضَیْفٌ رَجُلاً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَفِیْ دَارِہٖ کَلْبَۃٌ مُجِحٌّ ..... الخ

(مسند احمد جلد ۲ صہ ۱۷۰ طبع بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے حضور علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص دوسرے کا مہمان بنا اور میزبان کے گھر میں ایک قریب الولادۃ کتیا تھی۔ تو اس کتیا نے کہا وَاللّٰہِ لَا اَنْبَحُ ضَیْفَ اَھْلِیْ خدا کی قسم میں اپنے اہل خانہ کے مہمان کے سامنے نہیں بھونکوں گی وہ کتیا تو اس عہد پر قائم رہی مگر فَعَوٰی جِرَاءُ ھَا فِیْ بَطْنِہَا اس کے پیٹ میں جو بچے تھے وہ بھونکنے لگے اہل خانہ کو اس واقعہ پر سخت حیرت ہوئی کہ کتیا تو بھونکی نہیں مگر اس کے بچے بھونک رہے ہیں جو ابھی پیٹ میں ہیں اور پیدا ابھی نہیں ہوتے تو کہا گیا کہ یہ کیا بات ہے؟ فَاَوْحَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْہُمْ تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی۔ ظاہر ہے کہ وہ آدمی اللہ کا نبی ہوگا کیونکہ وحی صرف اللہ کے نبی یا رسول پر ہی آتی ہے تو اس وحی میں یہ بات بتلائی گئی۔ ھٰذَا مَثَلُ اُمَّۃٍ تَکُوْنُ مِنْ بَعْدِکُمْ یَقْھَرُ سُفَہَاؤُھَا اَحْلَامَہَا کہ یہ مثال تمہارے بعد آنے والی امت کی ہے کہ جس کے بیوقوف لوگ عقلمندوں کو دبا کر رکھیں گے۔ آج کے زمانہ میں مشاہدہ کرلیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہو رہی ہے تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہر دور میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

والا معاملہ ہی رہا ہے۔ ہر بد اخلاق اور بے دین طاقتور نے صاحبِ عقل و خرد لوگوں کو دبا کر رکھا ہے بلکہ انہیں کچل ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جس کے پاس دولت اقتدار اور جتھہ ہوتا ہے وہ دوسرے کو کب برداشت کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی اچھے اخلاق و اعمال کا حامل ہو۔ عقل مند لوگ اکثر مقہور و مغلوب ہی ہوتے ہیں۔

غلط طریقے پر کئے گئے سلام کا جواب

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ الْیَہُوْدَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَامٌ عَلَیْکَ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَاِذَا جَاءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓو روایت بیان کرتے ہیں کہ یہودی لوگ جب حضور علیہ السلام سے ملتے تو ازراہِ گستاخی اور بے ادبی آپؐ کو سلام بھی ٹھیک طریقے سے نہیں کرتے تھے بلکہ سَامٌ عَلَیْکَ کہتے یعنی "سلام" کی بجائے "سام" کہتے جس کا معنیٰ ہلاکت ہوتا ہے۔ اس طرح وہ بدبخت گویا حضور علیہ السلام کو سلامتی کی دعا کی بجائے ہلاکت کی بددعا دیتے اور پھر اس پر بس نہ کرتے تھے بلکہ اپنے جی میں کہتے کہ اگر ہم یہ غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں سزا میں کیوں نہیں مبتلا کر دیتا؟ اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی

وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْ اَنْفُسِہِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُہُمْ جَہَنَّمُ یَصْلَوْنَہَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ (المجادلہ - ۸)

یہ یہودہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے لفظ کے ساتھ سلام کرتے ہیں جس کا طریقہ اللہ نے نہیں بتلایا۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے جہنم کافی ہے جو کہ لوٹ کر جانے کا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کسی یہودی کو اس طریقے سے آکر سلام کرتے ہوتے سن لیا تو جواب میں کہا علیک السّامُ وَاللّعنۃ تم پر تباہی اور لعنت ہو اس پر حضور علیہ السلام نے منع فرمایا کہ ایسی بات مت کرو۔ یہ فحش بات ہے جس کو اللہ تعالےٰ پسند نہیں کرتا ایسے موقع پر صرف علیکم کہہ دیا کرو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ تمہیں پر پڑے۔

دعائے بخشش کو محدود کرنے کی ممانعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَآءَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِمُحَمَّدٍ وَلَا تُشْرِكْ فِیْ رَحْمَتِكَ اِیَّانَا اَحَدًا...الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صد ۱۷۰، ۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس طرح دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دے اور اپنی رحمت میں ہمارے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کر۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مَنْ قَائِلُھَا یہ بات کس نے کی ہے تو اس شخص نے عرض کیا حضور! میں نے یہ دعا کی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَقَدْ حَجَبْتَهَا عَنْ نَاسٍ كَثِيْرٍ کیا تم اللہ کی رحمت کو بہت سے لوگوں سے روکنا چاہتے ہو؟ تم نے یہ بڑی غلط بات کی ہے کہ رحمت خداوندی کو صرف اپنے اور میری ذات تک محدود رکھنا چاہتے ہو تمہیں یوں دعا کرنی چاہیئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرما اور دوسروں پر بھی۔ غرضیکہ عام لوگوں سے اللہ کی رحمت کو روکنے والی دعا سے اللہ کے نبی نے منع فرمادیا۔

باپ کی بجائے دوسرے کی طرف نسبت کرنا

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ لَمْ یَرِحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صہ ۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی نسبت اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے کی طرف کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ وَاِنَّ رِیْحَھَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَۃِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا (ترمذی صہ ۲۲) حالانکہ جنت کی خوشبو تو ستر سال یا ستر سال کی مسافت سے بھی آجاتی ہے اس فعل کو کفرانِ نعمت میں شمار کیا گیا ہے ہر شخص کو اپنی نسبت اپنے ہی باپ کی طرف کرنی چاہیئے۔ خاندان یا نسل کے اعتبار سے دنیا میں کوئی بھی شخص حقیر نہیں ہے اللہ کا فرمان ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کا سلسلہ نسب مٹی سے ملتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے بعض خاندانوں کو اللہ نے فوقیت عطا فرمائی ہے جیسے خاندانِ قریش مگر حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اس تفوق پر فخر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ قریش کے علاوہ تمام خاندان آدم علیہ السلام کی اولاد ہی ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ بحیثیت انسان سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام اور حواؑ کی اولاد ہیں لہٰذا کسی کو خاندانی لحاظ سے حقیر جاننا کفرانِ نعمت ہے اسی طرح جو آدمی اپنا خاندان تبدیل کرتا ہے اصل باپ کی بجائے اپنی نسبت کسی دوسرے کی طرف کرتا ہے۔ فرمایا ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔

دوسری بات حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمائی۔ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا —

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔ جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کر لے۔ کسی بات کو حضور علیہ السلام کی حدیث کہتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے پہلے تحقیق کر لینی چاہیئے کہ اس کی نسبت ٹھیک ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص آپ کی طرف جھوٹی نسبت کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ ایک عام آدمی کی طرف بھی جھوٹی بات منسوب کرنا گناہ ہے مگر اللہ کے نبی کی طرف غلط بات منسوب کرنا تو گناہ عظیم ہے کیونکہ سننے والا اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوگا حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہوگا۔

سات قسم کی اموات سے پناہ طلبی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَاذَ مِنْ سَبْعِ مَوْتَاتِ الْفُجَاءَۃِ وَمِنْ لَدْغِ الْحَیَّۃِ وَمِنَ السَّبُعِ وَمِنَ الْحَرَقِ وَمِنَ الْغَرَقِ۔۔۔الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قسم کی اموات سے ہمیشہ پناہ مانگی۔ پہلی قسم کی موت ناگہانی موت ہے جس سے حضور علیہ السلام نے پناہ طلب کی۔ اس قسم کی موت میں انسان کا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے یا کوئی سڑک پر حادثہ پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے انسان نہ توبہ کر سکتا ہے نہ کوئی وصیّت کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے پس ماندگان کو کسی راز سے آگاہ کر سکتا ہے فرمایا اگر اس قسم کی موت مرنے والا آدمی مومن ہے تو اسے کوئی خطرہ نہیں اور اگر اسکے برخلاف ہے تو سخت خطرناک صورت حال ہے۔

فرمایا دوسری قسم کی موت لَدْغِ الْحَیَّۃِ یعنی سانپ کے کاٹنے سے موت واقع ہو جاتا ہے کہ یہ بھی بڑی خطرناک موت ہے تیسرے نمبر پر وَمِنَ السَّبُعِ کسی درندے کے چیر پھاڑ کرنے کی وجہ سے موت واقع ہو جانا بھی ناگہانی قسم کی موت ہے جس سے پناہ طلب کی گئی ہے چوتھی موت فرمایا وَمِنَ الْحَرَقِ آگ سے جل کر مر جانے سے بھی حضور علیہ السلام نے اللہ کی ذات سے پناہ مانگی اور پانچویں نمبر پر وَمِنَ الْغَرَقِ پانی میں ڈوب کر مر جانا بھی اسی قبیل سے ہے اور اس سے بھی پناہ مانگی ہے۔

چھٹی قسم کی موت یہ ہے اَنْ یَّخِرَّ عَلٰی شَیْءٍ اَوْ یَخِرَّ عَلَیْہِ شَیْءٌ کہ آدمی کسی چیز پر گر کر مر جائے یا کوئی وزنی چیز اس پر گر پڑے جس سے اس کی

موت واقع ہو جائے کسی چٹان یا پتھر وغیرہ پر گر پڑے یا کوئی پتھر یا چھت یا دیوار اس پر گر جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے تو ایسی موت سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے فرمایا ساتویں قسم کی موت یہ ہے وَ مِنَ القَتلِ عِندَ فِرَارِ الزَّحفِ دورانِ جنگ مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ کھڑا ہو اور اس حالت میں موت آ جائے دشمن پیچھا کر کے قتل کر دے یا راستے میں کوئی اور حادثہ پیش آ جائے جس کی بنیاد جنگ سے فرار ہو تو ایسی موت بھی پسندیدہ نہیں ہے لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایسی اموات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

ایمان روزی اور قناعت کی نعمتیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اٰمَنَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِهِ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۶۸، ۱۷۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جو ایمان لایا، اس کو حسب ضرورت روزی دی گئی اور اللہ نے اس کو اس پر قناعت کی دولت بھی عطاء فرمائی ایمان سے مراد اللہ، اس کی ذات وصفات، انبیاء، کتب سماویہ، فرشتوں اور تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ نیز روزی وہ نصیب ہو جس سے اس کی جائز ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اسے کسی کا دست نگر ہونا پڑے اور نہ ہی اس کے پاس جمع کرنے کے لیے مال ہو اور پھر اگر اتنی روزی پر اسے قناعت نصیب ہو گئی یعنی اس کا نفس حرص سے پاک رہا تو وہ آدمی دنیا و آخرت میں کامیاب ہے۔ اگر قناعت کی بجائے حرص پیدا ہو گئی اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر میں رہا تو بھی وہ شخص کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

انسانی دل پر خدا تعالیٰ کا کنٹرول

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَلْبُ ابْنِ اٰدَمَ عَلٰی اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الْجَبَّارِ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا شَآءَ اَنْ یُّقَلِّبَہٗ قَلَّبَہٗ فَکَانَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل خدائے جبّار کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اور اگر وہ چاہے تو اس کو تبدیل کر دے۔ گویا انسان کے دل پر خدا تعالیٰ کا کنٹرول ہے، وہ جدھر چاہے اس کو پھیر دے اسی لیے حضور علیہ السلام یہ دعا کثرت سے کیا کرتے تھے۔ یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اور ان کو بُرائی سے بچالے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ، کہیں پلٹی نہ کھا جائیں۔ قرآن میں بھی ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ جان لو! کہ اللہ تعالےٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ ڈال دیتا ہے لہٰذا ہر وقت عاجزی کرنی چاہیئے اور اللہ سے نیکی کی توفیق طلب کرنی چاہیئے ایسی بات نہ ہو کہ کسی غلطی کی وجہ سے اللہ دل کو دوسری طرف پھیر دے اور پھر انسان سعادت سے شقاوت کی طرف چلا جائے۔

اہلیانِ جنّت اور دوزخ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّۃِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَہْلِہَا الْفُقَرَآءَ وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَاَیْتُ اَکْثَرَ اَہْلِہَا الْاَغْنِیَآءَ وَالنِّسَآءَ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنّت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں پر اکثریت فقراء یعنی محتاجوں اور ناداروں کی دیکھی پھر میں نے دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو وہاں پر اکثریت دولتمندوں اور عورتوں کی پائی۔

جنّت اور دوزخ کا مشاہدہ اللہ نے آپ کو معراج کے موقع پر کرایا تھا۔ اور اس کے علاوہ خواب میں بھی ہوا۔ یہ مشاہدہ جیسے بھی ہوا حضور علیہ السلام نے بتلا دیا کہ جنّتیوں کی اکثریت محتاجوں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنی تنگدستی کی وجہ سے خدا سے ڈرتے رہے تو انہیں عیاشی اور فحاشی کا موقع نہ ملا۔ انہوں نے نیکی کی طرف رغبت کی اور جنّت کے مستحق ٹھہرے۔ اس کے برخلاف صاحب ثروت لوگ اکثر لاپرواہ اور خوف خدا سے عاری ہوتے ہیں، ایمان اور نیکی کی طرف کم ہی توجہ دیتے ہیں لہٰذا وہ دوزخ کے مستحق بنے۔ عورتوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اکثر کفر شرک میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں، رسم و رواج میں منہمک رہتی ہیں اسی لیے حضور علیہ السّلام نے اُنکی اکثریت کو دوزخ میں دیکھا۔

خصّی ہونے کی ممانعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِئْذَنْ لِیْ اَنْ اَخْتَصِیَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِصَاءُ اُمَّتِیَ الصِّیَامُ وَالْقِیَامُ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضورؐ! مجھے اجازت دیں کہ میں خصی ہو جاؤں۔ بعض لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے مگر خواہش نفسانی تنگ کرتی ہے تو ایسے شخص سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے لیے خصی ہونا روزہ رکھنے اور قیام کرنے سے ہوتا ہے جو شخص قوت مردمی سے بھرپور ہے مگر نکاح کرنے کے لیے مال نہیں ہے یا کوئی دوسری رکاوٹ ہے تو اس کی عصمت کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ وہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے تاکہ اس کو ابھارنے والی شیطانی قوت ماند پڑ جائے روزہ رکھنے سے شیطان کی سواری خاص طور پر کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے جسم میں ضعف پیدا ہو کر نفسانی خواہش مغلوب ہو جاتی ہے زیادہ خوراک بھی انسان کے شہوانی میلان میں اضافہ کرتی ہے لہذا اس کا علاج روزہ بتلایا گیا ہے۔ کھانا اعتدال سے کھاؤ، روزے رکھو اور رات کی نماز کو معمول بنا لو تو برائی سے بچنے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اَبَا اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیَّ کَانَ فِیْ مَجْلِسٍ وَھُوَ یَقُوْلُ اَلَا یَسْتَطِیْعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقُوْمَ بِثُلُثِ الْقُرْاٰنِ کُلَّ لَیْلَۃٍ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کسی مجلس میں یہ کہہ رہے تھے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اتنی طاقت رکھتا ہے کہ ہر رات ایک تہائی قرآن کی تلاوت کرے۔ قَالُوْا وَھَلْ نَسْتَطِیْعُ ذٰلِکَ اہل مجلس کہنے لگے کہ ہم تو اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت مکمل کر لیں۔ اس پر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وضاحت فرمائی۔ فَاِنَّ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ۔ بیشک سورۃ اخلاص کی تلاوت ایک تہائی قرآن کی تلاوت کے برابر ہے۔ کیا کوئی شخص اس قدر تلاوت بھی نہیں کر سکتا؟

راوی بیان کرتے ہیں فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَسْمَعُ اَبَا اَیُّوْبَ کہ اسی اثناء میں حضور علیہ السلام اس مجلس میں تشریف لے آئے اور انہوں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی بات سن لی۔ آپ نے فرمایا۔ صَدَقَ اَبُوْ اَیُّوْبَ۔ ابوایوب انصاریؓ نے سچ کہا یعنی انہوں نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ والی سورۃ کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دینے کی بات کی جس کی حضور علیہ السلام نے تصدیق فرما دی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ بڑی فضیلت والے صحابی ہیں جنہیں سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی ساری زندگی جہاد میں صرف ہو گئی آپ نے قسطنطنیہ کی جنگ کے دوران وفات پائی اور آپ کی قبر بھی وہیں قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ ہی ہے جو آج بھی موجود ہے اور لوگ اسکی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

عقیقہ کیلئے جانوروں کی تعداد

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَیْنِ وَعَنِ الْجَارِیَۃِ شَاۃً۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے لیے دو بکریاں اور بچی کے لیے ایک بکری سے عقیقہ کیا۔ یہ عام قانون ہے کہ جس شخص کے ہاں بچہ یا بچی پیدا ہو تو وہ اللہ تعالےٰ کے شکریہ کے طور پر بچے کے لیے دو جانور اور بچی کے لیے ایک جانور قربانی کرے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے "لفظ عقیقہ" کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ یہ لفظ عقوق کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ نافرمانی ہوتا ہے۔ اسی اصول کے تحت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک بکری ذبح فرمائی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی پیدائش پر بھی عقیقہ ادا کیا تھا اور یہی کام حضرت علیؓ نے بھی انجام دیا۔

روزے کی حالت میں بوسہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ شَابٌّ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أُقَبِّلُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ لَا فَجَاءَ شَیْخٌ فَقَالَ اُقَبِّلُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ ...... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان شخص آیا اور عرض کیا کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا کروں کیا یہ درست ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر اسی مجلس میں ایک بوڑھا شخص آیا اور اس نے بھی یہی مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں یہ تمہارے لیے جائز ہے راوی بیان کرتا ہے کہ پھر مجلس کے لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گویا وہ ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف جوابات پر تعجب کر رہے تھے اسی پر حضور علیہ السلام نے فرمایا قَدْ عَلِمْتُ میں جانتا ہوں کہ تم ایک دوسرے کی طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ بوڑھے آدمی کو میں نے اس لیے اجازت دی کہ وہ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ اپنے جذبات پر بوجہ کبر سنی قابو رکھتا ہے۔ چونکہ نوجوان آدمی اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا اس لیے میں نے اس کو بوسہ لینے سے منع کر دیا ہے۔

کلمۂ توحید کی فضیلت

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَمْ یَسْبِقْہُ اَحَدٌ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان کلمات کا ذکر کریگا اس سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکیگا۔ وَلَمْ یُدْرِکْہُ اَحَدٌ کَانَ بَعْدَہٗ اور اس کے بعد والا بھی کوئی شخص اس کے درجے کو نہ پہنچ سکے گا۔ اِلَّا بِاَفْضَلَ مِنْ عَمَلِہٖ یَعْنِیْ مَنْ عَمَلَ بِاَفْضَلَ مِنْ عَمَلِہٖ۔ مگر وہ شخص جو اس سے زیادہ افضل عمل کرنے والا ہو۔ یہ کلمہ توحید ہے جو بڑی فضیلت والا کلمہ ہے۔ صبح شام ایک ایک سو مرتبہ پڑھنا نہایت مفید ہے۔ کلمہ یہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

عمرو بن شعیب بن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ عمرو اپنے باپ شعیب سے روایت نقل کرتے ہیں اور شعیب اپنے باپ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں جو کہ عمرو کے دادا ہوتے ہیں یعنی عمرو اپنے دادا کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں۔

کتاب اللہ میں بحث مباحثہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَءُونَ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ کچھ لوگ اللہ کی کتاب کی بعض آیات کو بعض کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں یعنی آپس میں بحث مباحثہ کر رہے ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی موضوع پر ایک آیت لاتا ہے تو دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پیش کر رہا ہے گویا کہ وہ مناظرہ یا مجادلہ کر رہے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کی بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں۔ فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ لہٰذا بعض کی بعض کے ساتھ تکذیب نہ کرو۔ اس کے برعکس بہتر طریق کار یہ ہے فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا جس چیز کو تم جانتے ہو اس کو ظاہر کرو۔ فَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوهُ إِلَى عَالِمِهِ اور جس چیز کو نہیں جانتے اس کو جاننے والے کے سپرد کر دو تاکہ وہ تمہیں صحیح بات بتلا سکے۔ اللہ کی آیات میں خود بخود مت الجھو۔

کسی شخص کی غیر حاضری میں اسکی بیوی کے پاس بیٹھنا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو حَدَّثَهٗ اَنَّ نَفَرًا مِّنْ بَنِیْ هَاشِمٍ دَخَلُوْا عَلٰی اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ فَدَخَلَ اَبُوْ بَکْرٍ وَهِیَ تَحْتَهٗ یَوْمَئِذٍ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے یہ واقعہ سنایا کہ بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کا ایک گروہ اسماء بنت عمیسؓ کے گھر آیا اور وہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں تھیں۔ اتفاق سے حضرت صدیقؓ اس وقت گھر میں نہیں تھے پھر جب آپ واپس آتے اور ان لوگوں کو گھر میں بیٹھے دیکھا۔ فَکَرِهَ ذٰلِکَ تو اس بات کو ناپسند کیا۔ پھر انہوں نے اس واقعہ کا ذکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں کیا کہ اس طرح میری عدم موجودگی میں کچھ لوگ میری بیوی کے پاس بیٹھے تھے جو مجھے ناگوار گزرا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا۔ لَمْ اَرَ اِلَّا خَیْرًا" میں نے تو اس میں بہتری کے سوا کوئی چیز نہیں دیکھی یعنی میں اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ نہ تو اسماء کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے اور نہ ہی بنی ہاشم کے ان لوگوں کے متعلق کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو اپنے خاندان کے لوگ تھے جو اسماءؓ کے رشتہ دار تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ لوگ حضرت اسماءؓ سے اجازت لے کر ان کے گھر میں آتے تھے کیونکہ وہ کوئی خاص بات کرنا چاہتے تھے مگر چونکہ حضرت ابوبکرؓ گھر میں موجود نہیں تھے اس لیے آپ کو یہ بات ناگوار گزری۔

اس بارے میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَرَّاَهَا مِنْ ذٰلِکَ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماءؓ کو کسی شک وشبہ سے بری قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب

کرکے فرمایا۔ لَا یَدْخُلُ رَجُلٌ بَعْدَ یَوْمِیْ هٰذَا عَلٰی مُغِیْبَةٍ اِلَّا وَمَعَهٗ رَجُلٌ اَوْ اِثْنَانِ۔ آج کے بعد کوئی شخص کسی کی بیوی کے پاس تنہائی میں نہ بیٹھے جب تک کہ اس کے ساتھ ایک یا دو آدمی نہ ہوں۔ جب دو تین آدمی اکٹھے ہوں گے تو پھر کسی شبہ کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہوگا مطلب یہ کہ ایسے معاملہ میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

ذمی کے قتل پر وعید

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا مِنْ اَھْلِ الذِّمَّۃِ لَمْ یَرِحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ رِیْحَھَا لَیُوْجَدُ مِنْ مَّسِیْرَۃِ اَرْبَعِیْنَ عَامًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو رض بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص نے اہل ذمہ میں سے کسی کو قتل کیا وہ جنّت کی خوشبو تک نہیں پائیگا حالانکہ جنّت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہونے لگتی ہے۔

ذمی وہ غیر مسلم لوگ کہلاتے ہیں جو مسلمانوں کے ماتحت رہ کران کے قانون کا احترام کرتے ہیں۔ ان کا حکم حربی کافروں سے مختلف ہے قرآن میں موجود ہے کہ حربی کافروں کے ساتھ احسان کرنا روا نہیں ہے البتہ ذمی کی جان، مال، عزّت آبرو سب محفوظ ہوتے ہیں اوران کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے پرامن شہری کوئی بھی ہو اس کو قتل کرنا روا نہیں ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ دو ذمی اشخاص مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے کیونکہ اہل ایمان کو مقتولین کے ذمی ہونے کا علم نہیں تھا۔ جب حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان مقتولین کے ورثاء کو ان کی دیت ادا کی۔ البتہ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کے برابر ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ ذمی آدمی کی دیت بھی مسلمان آدمی کے برابر ہے جیساکہ ترمذی شریف کی روایت سے واضح ہے تاہم دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ ذمی آدمی کی دیت مسلمان کے مقابلے میں آدھی ہے۔ اسی طرح قصاص کے مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ذمی کے مسلمان

قاتل سے قصاص لیا جائے گا یعنی اسے سزائے موت دی جائے گی جب کہ دوسرے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ذمی کے قتل کا قصاص نہیں بلکہ دیت ہے۔

بہرحال یہ بات واضح ہے کہ کسی پرامن شہری کا قتل خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، بہت بڑا جرم ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ذمی کا قاتل جنت کی خوشبو تک بھی نہیں پا سکے گا حالانکہ یہ تو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہونے لگتی ہے۔

گمشدہ اونٹ کا مسئلہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّہٗ سَمِعَ رَجُلاً مِّنْ مُزَیْنَۃَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاذَا تَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ ضَالَّۃِ الْاِبِلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالَكَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کو کسی کا گمشدہ اونٹ مل جائے تو کیا اسے حفاظت میں لے لیا جائے یا اسے پکڑا ہی نہ جائے بلکہ جدھر جانا چاہے جانے دیا جائے۔ اس کے جواب میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تجھے کس بات کی فکر ہے مَالَكَ وَلَھَا مَعَھَا حِذَاؤُھَا وَسِقَاؤُھَا۔ اس کے پاس اپنا جوتا اور اپنا مشکیزہ ہے۔ مطلب یہ کہ اونٹ کا پاؤں بڑا مضبوط ہوتا ہے، وہ ہر قسم کے دشوار گزار راستوں پر چل سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس اپنا مشکیزہ ہے یعنی وہ اپنے معدے میں کئی کئی روز خوراک اور پانی جمع کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے سفر کر سکتا ہے۔ ویسے بھی جسم کی بڑی کلائی والا جانور ہے اور کسی درندے وغیرہ سے خطرہ بھی محسوس نہیں کرتا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کو پکڑنے کی بجائے کھلا چھوڑ دو جدھر جانا چاہے چلا جائے۔

محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تو اونٹ کے چوری ہو جانے کا بھی خطرہ نہیں ہوتا تھا مگر بعد میں جب لوگ اونٹ جیسے بڑے جانور کو بھی ہضم کرنے لگے تو صحابہؓ نے حکم دیا کہ اگر کوئی بھٹکا ہوا اونٹ مل جائے تو اسے حفاظت میں لے کر ضائع

ہونے سے بچا لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے گمشدہ اونٹ کو بیت المال میں محفوظ کر لینے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اس کو فروخت کر کے رقم بیت المال میں جمع کر لی گئی تاکہ جب کبھی اونٹ کا مالک مل جاتے تو رقم اس کو ادا کر دی جاتے۔

پھر اس شخص نے حضور علیہ السلام سے گمشدہ بھیڑ بکریوں کے متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ۔ وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے کسی بھائی کے لیے۔ مطلب یہ کہ تم اس کی حفاظت کرو، اگر اس کا مالک مل گیا تو لے جائے گا ورنہ وہ تمہارے یا تمہارے کسی بھائی کے کام آجائے گی۔ یہ کمزور سا جانور ہوتا ہے، اگر اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتے گا تو بھیڑیا وغیرہ کھا جائیگا۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی بھیڑ بکری کو چراگاہ سے پکڑے گا تو اس پر ڈبل جرمانہ ہوگا۔ پھر بعد میں جب اللہ نے قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ - ۱۹۴) کہ جس شخص نے تم پر جس قدر زیادتی کی ہے، تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں۔ مطلب یہ کہ اب ڈبل جرمانہ نہیں ہے بلکہ جرم کے مطابق ہی سزا دی جاتے گی۔ اب اگر کوئی شخص کوئی چیز چوری کریگا تو چوری کی مالیت نصاب کی مقدار کو پہنچنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص درخت سے پھل توڑ کر کھا لیتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اگر کوئی شخص پھل توڑ کر لے جاتا ہے تو وہ قابل گرفت ہے۔ اگر اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہے یعنی دس درہم یا زیادہ ہے تو اس کو قطع ید کی سزا دی جاتے گی۔

پھر اس شخص نے عرض کیا کہ حضور! اگر گمشدہ مال زمین میں مدفون ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ کوئی چیز کسی ویران جگہ میں پتھروں کے درمیان مل جاتے تو اس کا کیا کیا جاتے۔ قدیم زمانے میں لوگ مال کی حفاظت کے لیے اسے زمین میں دفن کر دیتے تھے یا بعض پتھروں کے درمیان چھپا کر اس جگہ کی کوئی خاص نشانی مقرر کر لیتے تھے تاکہ بوقت ضرورت سونا، چاندی یا دیگر مدفون مال برآمد کیا جا سکے۔ بعض لوگ ایسا کر کے نشانی بھول جاتے تھے جن کی

وجہ سے وہ چیز نہیں پا سکتے تھے۔ یا بعض لوگ دوسروں کو نشانی بتائے بغیر فوت ہو جاتے اور پھر ایسی مدفون چیز اچانک کسی دوسرے کے ہاتھ لگ جاتی تو ایسی چیز کے متعلق سائل نے سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسی یافتہ چیز کا خمس یعنی پانچواں حصّہ بطور زکوٰۃ ادا کرو اور باقی مال پانے والے کی ملکیت تصور ہوگا۔ اگر ایسا مال غیر مملوکہ زمین سے ملا ہے تو پانے والے کا ہوگا اور اگر کسی کی مملوکہ زمین سے مال برآمد ہوا ہے تو اس میں مالک کا حصّہ بھی ہوگا۔ خمس بہرحال ادا کرنا پڑے گا۔

یتیم کے مال میں تصرّف

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِي مَالٌ وَلِي يَتِيمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَّالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ أَوْ قَالَ وَلَا تَفْدِي مَالَكَ بِمَالِهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا کہ میرے پاس تو مال نہیں ہے، البتہ میری سرپرستی میں ایک یتیم ہے جس کا مال میرے پاس موجود ہے تو کیا اس مال میں میرے لیے کوئی گنجائش ہے؟ حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہو مگر اس میں اسراف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یا یہ فرمایا کہ یتیم کے مال میں سے کوئی فدیہ یا تاوان ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ تم خود محتاج ہو لہٰذا اس میں سے کھانا، کپڑا وغیرہ لے سکتے ہو۔ اگر سرپرست خود صاحبِ مال ہو تو اسے اس قدر تصرّف کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔ اسے یتیم کے مال کا انتظام و انصرام بلا معاوضہ کرنا چاہیئے۔

فرد اور جماعت

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا سوار ہو کر سفر کرتا ہے، وہ شیطان ہے۔ اور جو دو آدمی ہوں تو وہ بھی شیطان ہیں۔ البتہ اگر تین آدمی ہم سفر ہوں تو وہ جماعت ہے۔ اس حدیث میں فرداً فرداً سفر کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے خاص طور پر جب راستہ پُرخطر ہو۔ ایک یا دو آدمیوں کو شیطان سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ تین کے گروہ کو جماعت کا نام دیا گیا ہے۔ گویا سفر کے لیے کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہونی چاہیئے۔ حضور علیہ السلام نے چار ہم سفروں کے متعلق فرمایا کہ وہ بہتر گروہ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک یا دو آدمی تو اپنی جان اور مال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، نہ نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر تین آدمی اکٹھے ہوں گے تو انہیں یہ تمام فوائد حاصل ہو سکیں گے۔ ہاں اگر کوئی خاص مجبوری ہو تو پھر تنہا آدمی کا سفر کرنا بھی مباح ہو جاتا ہے بایں ہمہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا سفر شروع کرنے سے پہلے اچھے ساتھی تلاش کر لینا چاہئیں۔

سات چیزوں سے پناہ طلبی

• عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دعا کرتے ہوتے سنا۔ آپ عرض کرتے تھے اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔

۱۔ مِنَ الْکَسَلِ۔ سستی سے۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان پر سستی مسلط ہو جاتے تو وہ نہ کوئی کام کاج کر سکتا ہے اور نہ عبادت ہی کر سکتا ہے، لہٰذا اس سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

۲۔ وَالْھَرَمِ۔ اور میں انتہائی بڑھاپے سے پناہ طلب کرتا ہوں کیونکہ اس عمر میں اگر انسان کے تمام قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور انسان چلنے پھرنے، کھانے پینے حتیٰ کہ خود اپنے آپ سے عاجز آجاتا ہے۔

۳۔ وَالْمَاْثَمِ۔ اے اللہ! میں ہر قسم کے گناہ سے تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ گناہوں کی وجہ سے انسان آخرت سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر گناہ سے بچنے کی توفیق طلب کی گئی ہے۔

۴۔ وَالْمَغْرَمِ۔ اور میں تاوان سے بھی تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ناحق کوئی تاوان، قرضہ یا کوئی دیگر بوجھ پڑ جائے جس سے گلو خلاصی کرانا مشکل ہو جاتے اس کے لیے بعض دفعہ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا پڑتی ہے۔

۵۔ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ مسیح دجال کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ قربِ قیامت میں یہ بہت بڑا

فتنہ ہو گا۔

۶۔ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ اور میں قبر کے عذاب سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ برحق ہے اور گنہگاروں پر وارد ہو گا۔ قبر کا عذاب اگرچہ اصل سزا نہیں ہے کیونکہ اصلی سزا تو حشر کے بعد شروع ہو گی۔ تاہم اس دنیا کی حوالات کی طرح یہ بھی ایک قسم کی عبوری سزا ہو گی۔ اس کے برخلاف مومنوں کے لیے عالم برزخ میں آرام و راحت کا سامان ہو گا۔ اگرچہ اصلی نعمتیں آخری فیصلہ ہونے کے بعد میسر آئیں گی۔

۷۔ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یہ آخری سزا ہو گی جو حساب کتاب کے بعد گنہگاروں، کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کلمہ لاالٰہ الا اللہ کی فضیلت

اَنَّ نَوْفًا وَعَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو یَعْنِیْ ابْنَ الْعَاصِ اِجْتَمَعَا فَقَالَ نَوْفٌ وَلَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِیْهِمَا وُضِعَ فِیْ كِفَّةِ الْمِیْزَانِ وَوُضِعَتْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ كِفَّةِ الْاُخْرٰی لَرَجَحَتْ بِهِنَّ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

اس حدیث میں ایک تابعی بزرگ حضرت نوفؒ کا ذکر آیا ہے۔ یہ صاحب کعب احبار کی بیوی کے فرزند تھے۔ کعب احبارؒ یہودی علماء میں سے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوتے۔ صاحب علم آدمی تھے تفاسیر میں ان کی روایات کثرت سے بیان ہوئی ہیں۔

ایک موقعہ پر حضرت نوفؒ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اکٹھے ہو گئے تو نوفؒ نے بیان کیا کہ اگر ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان والی تمام چیزوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں ڈال دیا جائے تو کلمے والا پلڑا جھک جائے گا کیونکہ یہ کلمہ طیبہ مذکور تمام چیزوں سے زیادہ وزنی ہے پھر آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز كُنَّ طَبَقًا مِّنْ حَدِیْدٍ۔ لوہے کا مضبوط طبقہ بن جائیں تو یہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَخَرَقَتْهُنَّ حَتّٰی تَنْتَهِیَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔ ان سب کو چیر پھاڑ کر آگے نکل جائے گا اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جائے گا۔ غرضیکہ یہ کلمہ ان تمام چیزوں پر بھاری ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر افضل کلمات ہیں۔ یہی کلمات اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب

فرماتے ہیں جن کے ساتھ وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی میزان کو بھر دیں گے۔ اور کلمہ طیبہ کی فضیلت بیان ہو چکی بشرطیکہ اس کو اخلاص کے ساتھ پڑھا جاتے جب کہ دل میں کسی قسم کی بدعقیدگی نہ ہو۔ نیت صاف ہو تو یہ کلمہ ارض وسما پر بھاری ہے اور یہ ہر چیز کو چیر پھاڑ کر آگے نکل جانے والا ہے۔ حضرت نوف کی بیان کردہ یہ بات بالکل درست ہے جو کہ حضور علیہ السلام اور پہلے انبیاء کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ ایک موقع پر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی۔ فَعَقَّبَ مَنْ عَقَّبَ وَرَجَعَ مَنْ رَجَعَ۔ تو کچھ لوگ نماز سے فارغ ہو کر وہیں مسجد میں ٹھہر گئے اور کچھ لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ مسجد میں رک جانے والے لوگ ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ اس اثنا میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے۔ وَقَدْ كَادَ يَحْسُرُ ثِيَابَهُ عَنْ رُكْبَتَيْهِ۔ آپ نے اپنی چادر یا تہ بند اپنی پنڈلیوں سے اوپر کیا ہوا تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَبْشِرُوْا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مسلمانوں کے گروہ خوشخبری حاصل کرو کہ تمہارے پروردگار نے قَدْ فَتَحَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ السَّمَاءِ۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے هٰؤُلَاءِ عِبَادِيْ قَضَوْا فَرِيْضَةً وَّهُمْ يَنْتَظِرُوْنَ اُخْرٰى دیکھو! یہ میرے بندے ہیں جنہوں نے ایک فرض (نماز) ادا کر لیا ہے اور دوسرے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ ایک فرض کی ادائیگی کے بعد جو شخص دوسرے فرض کے انتظار میں رہتا ہے اس کا سارا وقت نماز کی حالت میں ہی شمار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر اس نے اعتکاف کی نیت کر لی ہے اور اللہ کا ذکر کیا ہے تو اس کا ثواب الگ ہو گا۔

زبان اور ہاتھوں کی حفاظت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا حضور! اسلام کی باتوں میں سے کون سی بات زیادہ فضیلت والی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ افضل بات یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔ یہ شخص دوسرے کو نہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہے اور نہ ہاتھ سے اس نے اسلام کی ایک افضل بات کو اختیار کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں اس حدیث کا مصداق شاید ہی کہیں نظر آتے ورنہ تو ایک دوسرے کا استقبال گالی گلوچ اور مار پیٹ سے کیا جاتا ہے اور اس طرح نہ زبان سے لوگ محفوظ رہتے ہیں اور نہ ہاتھ سے۔ آج کل دوسرے کی تذلیل کا ایک اور ذریعہ قائم ہو گیا ہے اخبارات میں مختلف لوگوں کے کارٹون بنا کر ان کے اذہان پر کاری ضرب لگائی جاتی ہے مگر اس کو آرٹ کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔ بہرحال سچا مسلمان وہی ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ کسی آدمی خاص طور پر مسلمان کو بلا وجہ کسی صورت میں بھی اذیّت نہیں پہنچانی چاہیئے۔

یہ سوال مختلف احادیث میں مختلف اشخاص سے منقول ہے مگر حضور علیہ السلام نے اس کے جواب بھی مختلف دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اسی سوال کے جواب میں آپ کا فرمان ہے کہ ایمان اور اسلام کی باتوں میں افضل بات یہ ہے کہ ”نماز وقت پر ادا کی جاتے“۔ ایک روایت میں یہ جواب آتا ہے کہ تم محتاجوں کو کھانا کھلاؤ۔ نیز فرمایا کہ ہر ملنے والے کو سلام کرو“

ایک روایت میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ "اللہ کے راستے میں جہاد کرو" یہ افضل بات ہے۔ بہر حال محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مختلف سائلین کو ان کے حسب حال مختلف جوابات دیئے۔ مثلاً جس میں نماز کی کوتاہی دیکھی اس کو بر وقت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا۔ جس میں بخل کا مادہ پایا اس کے لیے محتاجوں کو کھانا کھلانے کو افضل قرار دیا۔ اسی طرح جس میں سستی دیکھی اس کو جہاد کا حکم دیا۔ جو شخص والدین کی خدمت سے اعراض کرتا تھا اس کو والدین کی خدمت کا حکم دیا۔ یہ سب باتیں افضل اسلام پر دلالت کرتی ہیں۔

درود شریف کی فضیلت

عَنْ مَوْلَی ابْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ سَبْعِیْنَ صَلٰوۃً۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آقا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ درود پڑھا، اللہ تعالےٰ اس پر ستّر مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے، اور اس کے فرشتے اس شخص کے لیے ستر مرتبہ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ مسلم شریف کی روایت میں عام قانون ہے جس میں دس مرتبہ رحمت نازل کرنے کا ذکر ہے۔ تاہم اس بات کا انحصار درود پڑھنے والے آدمی کے اخلاص، محبت اور عقیدت پر ہے۔ کسی شخص میں یہ چیزیں جس قدر زیادہ مقدار میں ہوں گی اسی قدر اللہ کی رحمتیں بھی اس پر زیادہ نازل ہوں گی۔ لوگ تو اذان سے پہلے چیخ و پکار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام ہو گیا حالانکہ یہ ویسے ہی سنّت کے خلاف ہے درود شریف کا مسئلہ متفق علیہ ہے، اس کی فضیلت میں کسی کو انکار نہیں، البتہ طریق کار صحیح ہونا چاہیئے نیّت درست ہو، ریاکاری یا کسی کو اذیّت پہنچانا مقصود نہ ہو خلوص اور محبّت سے درود پڑھا جائے تو یقیناً اجر ملے گا۔ اور اگر نیّت میں فتور ہے تو پھر اس کا بدلہ بھی ویسا ہی ملیگا۔

قاضی کے لیے اجر و ثواب

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يُخْبِرُ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ خَصْمَيْنِ اخْتَصَمَا اِلٰی عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَضٰی بَيْنَهُمْ فَسَخَطَ الْمَقْضِیُّ عَلَيْهِ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں دو آدمی کسی معاملہ میں جھگڑ پڑے۔ اور وہ اپنا مقدمہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کے پاس لے گئے۔ آپ نے فریقین کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ پھر جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ ناراض ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم اپنا معاملہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کے پاس لے گئے تھے اور انہوں نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے یہ بات سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِذَا قَضَی الْقَاضِیْ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ عَشْرَةُ اُجُوْرٍ۔ کہ جب کوئی قاضی فیصلہ کرتا ہے۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ فریقین کی بات کو سنتا ہے اور پھر اپنی کوشش، اجتہاد اور صوابدید کے مطابق درست فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دس گنا اجر ملتا ہے۔ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ اَوْ اَجْرَانِ اور اگر قاضی فیصلہ کرنے میں پوری کوشش کے باوجود غلطی کرتا ہے تو اس کو ایک یا دو اجر ضرور مل جاتے ہیں۔ آپ نے اس شخص کو بات سمجھا دی کہ قاضی کے فیصلے پر بلاوجہ اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر فیصلہ کنندہ کسی کی طرفداری نہیں کرتا اور اپنی عقل و سمجھ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں اجر سے خالی نہیں رہتا اگرچہ اس نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی ہو۔ البتہ فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں دس گنا اور غلط ہونے کی صورت میں بھی ایک یا دو اجر ضرور ملیں گے۔

دینی مسائل میں اجتہاد کے لیے بھی یہی اصول ہے۔ اگر کوئی مجتہد اپنی محنت اور کاوش کے ذریعے کسی مسئلہ کا صحیح حل پالیتا ہے تو اس کو بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور اگر اس نے مسئلہ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے بشرطیکہ اس کی نیت بالکل ٹھیک ہے تو پھر بھی اس کو ایک آدھا اجر ضرور ملے گا۔

٭ بچوں کے لیے نماز کی ترغیب

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَبْنَآءَكُمْ بِالصَّلٰوةِ لِسَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ سِنِيْنَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! جب تمہارے بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو کیونکہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (التحریم ـ ۷) اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اس اصول کے مطابق فرمایا کہ جب بچے دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور پھر بھی نماز نہ پڑھیں تو انہیں اس مقصد کے لیے سزا بھی دیں۔

سات سال ادنیٰ درجے کی عمر ہے جس میں بچے میں تھوڑا سا شعور پیدا ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ اس عمر میں بچے کو طہارت کا طریقہ سکھاؤ۔ وضو کراؤ، اپنے ساتھ نماز میں کھڑا کرو تاکہ وہ نماز کا طریقہ سیکھ سکے۔ پھر فرمایا کہ جب بچہ دس سال کی عمر کا ہو جاتے تو اسے مار کر بھی نماز پڑھاؤ۔ اس عمر تک اوسط درجے کا شعور پیدا ہو جاتا ہے وہ تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگتا ہے، لہٰذا اسے زبردستی نماز کی عادت ڈالو۔ اس کے بعد جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو پھر وہ خود مکلّف اور اللہ کے خطاب کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ والدین کی ذمہ داری اس کی نابالغی کی حد تک تھی جو کہ اب ختم ہو گئی ہے اب اس پر تشدد کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کو تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔

حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جب بچے دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ تو ان کے بستر بھی الگ کر دو۔ اب دو بچوں کو اکٹھے نہ سلاؤ

تاکہ کوئی بداخلاقی پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ آپ نے فرمایا وَ اِذَا اَنْکَحَ اَحَدُکُمْ عَبْدَهٗ اَوْ اَجِیْرَهٗ۔ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرا دے۔ فَلَا یَنْظُرُ اِلٰی شَیْءٍ مِّنْ عَوْرَتِہٖ۔ تو پھر اس کے ستر کی طرف مت دیکھے کہ یہ اب اس مالک کے لیے حرام ہوگیا ہے۔ اور یہ ستر فَاِنَّمَا اَسْفَلُ مِنْ سُرَّتِہٖ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ مِنْ عَوْرَتِہٖ۔ اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ اس حصہ جسم کو نہیں دیکھ سکتا۔ لونڈی کے نکاح کر دینے کی صورت میں اس کا مالک اس سے گھریلو خدمت تو لے سکتا ہے مگر اب وہ اس کے لیے حرام ہے حتیٰ کہ اس کے پوشیدہ حصّے کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔

حرمِ پاک میں قتل کا وبال

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْتٰی النَّاسِ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ قَتَلَ فِیْ حَرَمِ اللّٰہِ اَوْ قَتَلَ غَیْرَ قَاتِلِہٖ اَوْ قَتَلَ بِذُحُوْلِ الْجَاہِلِیَّۃِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک لوگوں میں اللہ کے سامنے بڑا سرکش وہ آدمی ہے جو کسی شخص کو حرم میں قتل کرتا ہے، یا کسی غیر قاتل کو قتل کر دیتا ہے یا کسی کو زمانہ جاہلیت کے بغض، عناد یا دشمنی کی بناء پر قتل کرتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں تین قسم کے قاتلوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے پہلی قسم کا آدمی وہ قاتل ہے جو کسی دوسرے شخص کو سرزمین حرم مکہ میں قتل کر دیتا ہے۔ حرم شریف بڑا باعزت مقام ہے۔ اس میں قتل کرنا تو درکنار وہاں پر لڑائی بھڑائی، گالی گلوچ کرنا، خودرو درختوں کو کاٹنا، شکار کرنا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ جاندار کو بھی اذیت پہنچانا حرام ہے۔ چنانچہ جو شخص حرم میں کجروی اختیار کرتا ہے، الحاد کرتا ہے، اللہ کا فرمان ہے نُذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ ہم اس کو دردناک سزا دیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ گھر میں یا بازار میں کسی گناہ کا ارتکاب کرنے کی بجائے مسجد میں گناہ کرنا زیادہ قابل سزا ہے، اسی طرح باقی خطہ ارضی کے علاوہ اللہ کے حرم پاک میں کوئی غلط کام کرنا، کسی ممنوع کام کو کر گزرنا زیادہ سخت سزا کا مستحق بنتا ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی عام آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو عام سزا دی جائے گی اور اگر کوئی صاحبِ علم وہ جرم کرتا ہے تو اس کو ڈبل سزا دی جائے گی۔

دوسری قسم کا سرکش وہ آدمی ہے جو کسی غیر قاتل کو قتل کرتا ہے یعنی اس کو ناحق قتل کرتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے اس کے بھائی کو قتل کیا مگر وہ اس کی بجائے اس کے باپ یا بھائی کو قتل کر دیتا ہے تو ایسا شخص بھی سخت سزا کا مستوجب ہو گا۔ تیسرا سرکش وہ آدمی ہے جو زمانۂ جاہلیت کی عداوت کی وجہ سے دوسرے کو قتل کرتا ہے حالانکہ ایمان لانے کے بعد تو پہلی تمام رنجشیں ختم ہو چکیں۔ اب ان کو ذہن میں رکھ کر کسی کو قتل کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے اور ایسا آدمی اللہ کے نزدیک بڑا سرکش اور قابلِ مواخذہ ہے۔

بے معنی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ یَتَخَلَّلُ بِلِسَانِہٖ کَمَا یَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَۃُ بِلِسَانِہَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اس بلیغ شخص کے ساتھ بغض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو گائے کی طرح گھماتا ہے۔
فصاحت و بلاغت ایک اچھی صفت ہے بشرطیکہ یہ کسی جائز کام اور محض اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ اللہ نے ایسے واعظ قسم کے لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو محض الفاظ کے ہیر پھیر سے لوگوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور محض فصاحت و بلاغت کے زور پر لوگوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی تقریر کا مطلب کچھ بھی نہیں ہوتا یا وہ دانستہ لوگوں کو شرک، بدعت اور رسومات باطلہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں فرمایا یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بلکہ مقصد کی بات ہونی چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مردوں میں سے ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جو گائے کی طرح زبان کو گھماتا ہے مگر حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔

عبادات میں اعتدال کی راہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَمْ اُحَدَّثْ اَنَّكَ تَقُوْمُ اللَّیْلَ اَوْ اَنْتَ الَّذِیْ تَقُوْلُ لَاَ قُوْمَنَّ اللَّیْلَ وَ لَاَصُوْمَنَّ النَّھَارَ قَالَ اَحْسِبُہٗ قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ قُلْتُ ذٰلِكَ .... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ ص ۱۸۸)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام مجھے ملے اور فرمایا (دوسری روایت میں ہے کہ بات سمجھانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے) کہ میرے پاس لوگوں نے بیان کیا ہے کہ تم ساری رات عبادت کرتے ہو یا تم نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ ساری رات عبادت کرو گے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھو گے۔ پوچھا کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے اثبات میں جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے، میں ساری رات عبادت کرتا ہوں اور ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں۔ سوائے پانچ ایام کے ممنوع روزوں کے مطلب یہ تھا کہ رمضان کے روزے تو فرض ہیں ان کے علاوہ باقی نفلی روزے رکھتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا یہ طریقہ درست نہیں ہے فَقُمْ وَنَمْ۔ لہٰذا رات کو قیام بھی کیا کرو اور سو بھی جایا کرو۔ نیز فرمایا وَصُمْ وَاَفْطِرْ کبھی روزہ رکھ لیا کرو اور کبھی چھوڑ دیا کرو۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ نیند انسان کے امور طبعیہ میں سے ہے۔ اگر ہمیشہ شب بیداری کرو گے تو قویٰ تحلیل ہو جائیں گے آنکھیں اندر دھنس جائیں گی اور تم لاغر ہو جاؤ گے۔ حتیٰ کہ فرائض کی ادائیگی سے بھی مجبور ہو جاؤ گے اللہ نے تمہارے جسم اور آنکھوں کا حق بھی تمہارے ذمے رکھا ہے، تمہارے نفس کا حق بھی ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اللہ نے اہل اولاد کے لیے اولاد کے حقوق بھی متعین کیے ہیں ان حقوق کی ادائیگی لازمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک حق کی ادائیگی

کرتے کرتے باقی حقوق کو ضائع کر بیٹھو، اللہ کو یہ چیز پسند نہیں ہے۔

پھر فرمایا اگر روزے رکھنے کا زیادہ شوق ہے وَصُمْ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَذَلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ۔ تو ہر ماہ میں روزے رکھ لیا کرو، اس طرح تمہیں سال بھر کے روزوں کا اجر مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جب ایک عمل کا اجر دس گنا ہے تو تین کا تیس ہوا یعنی پورے ماہ کے روزوں کا ثواب حاصل ہو گیا۔ اگر ہر ماہ ایسا ہو تو سال میں سال بھر کے روزوں کا اجر مل گیا۔

حضرت عبد اللہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کے جواب میں میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ میں تو اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں یعنی ہر ماہ تین سے زیادہ روزے رکھنے کے قابل ہوں۔ تو آپ نے فرمایا فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ۔ کہ پھر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور دو دن چھوڑ دیا کرو۔ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا، حضور! إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فَصُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا پھر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور ایک دن چھوڑ دیا کرو۔ وَهُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ وَهُوَ صِيَامُ دَاوُدَ۔ اور یہ تمام روزوں سے افضل روزہ ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ بھی یہی تھا کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا حضور! إِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ۔ میں تو اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں اس پر آپ نے فرمایا لَا أَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ پھر اس سے افضل کوئی بات نہیں ہے اگرچہ آج تم کتنی بھی طاقت رکھتے ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا روزے رکھنے کا یہ معمول تھا جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھا۔ اس کے علاوہ آپ جہاد میں بھی حصہ لیتے تھے۔ دشمن پر اقدام کرتے تھے مگر جنگ میں کبھی پیٹھ نہیں پھیری۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عبد اللہ رضؓ کو اسی اعتدال کی تعلیم دی کیونکہ اس طرح مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور انسان کی عادت بھی نہیں بنتی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضؓ حضور علیہ السلام کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے اور پھر عمر کے آخری حصے

میں جسمانی طور پر کمزور ہو گئے جس کی وجہ سے اس معمول کا جاری رکھنا دشوار ہو گیا۔ اس وقت آپ افسوس کیا کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے ایک اچھی نصیحت اور اچھی تعلیم دی تھی کاش میں اس وقت اس کو قبول کر لیتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اب نہ تو میں اس معمول کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ جاری رکھ سکتا ہوں۔ اگرچہ آپ اس کو آخری عمر تک نبھانے کی کوشش کرتے رہے مگر حضور علیہ السلام کی شفقت کو یاد کر کے اظہار افسوس ضرور کیا کرتے تھے کہ میں نے اس وقت زیادہ عمل کی کوشش کی مگر اب اس کو نبھانا مشکل ہو رہا ہے۔

سورج گرہن کے وقت نماز

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ ثُمَّ رَکَعَ فَاَطَالَ الرُّکُوْعَ ثُمَّ رَفَعَ فَاَطَالَ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں ایک دفعہ سورج کو گرہن لگا۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک ہی ایسا واقعہ پیش آیا اور یہ ۸ھ کے قریب کا زمانہ ہے۔ جس دن سورج گرہن ہوا اتفاق سے اسی دن حضور علیہ السلام کے صاحبزادے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے، سولہ ماہ کی عمر میں وفات پاگئے۔ بہرحال حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سورج کو گرہن لگا تو حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی جس میں آپ نے لمبا قیام اور لمبا رکوع کیا۔ نماز کسوف کا حکم یہ ہے کہ پہلا پہر ہو یا پچھلا پہر لمبی قرأت کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ قیام اور رکوع کے علاوہ سجدہ بھی لمبا ہو اور پھر دعا بھی لمبی کی جائے گی حتیٰ کہ گرہن دور ہو جاتے۔ حضور علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپ سجدہ کی حالت میں روتے جاتے تھے، سانس زور زور سے چل رہا تھا اور آپ زبان سے یوں کہہ رہے تھے رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِیْ۔ پروردگار! کیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک میں ان لوگوں میں موجود ہوں تو ان کو سزا نہیں دیگا؟ اور جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے تو ان کو سزا نہیں دیگا۔ ابھی تو میں ان لوگوں میں موجود ہوں اور ہم استغفار بھی کرتے ہیں، قرآن پاک میں یہ فرمان اس طرح ہے۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال — ۳۳)

آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی عہد کا ذکر کر رہے تھے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگ رہے تھے۔ چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق اللہ نے حضور کی برکت سے اہل مکہ سے سزا کو اٹھائے رکھا۔ پھر جب انہوں نے آپ کو مکہ سے نکال دیا تو ڈیڑھ سال کے اندر اندر ان کو بدر کے مقام پر سزا سے دوچار کر دیا گیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلال، قہر اور اس کی عظمت کے پیش نظر روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہیں اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا نہ کر دے جب سورج جیسے عظیم کرے میں تغیر آگیا ہے اور وہ بے نور ہو کر رہ گیا ہے تو انسان تو اسکے مقابلہ میں نہایت ہی کمزور سی مخلوق ہے کہیں ان پر بھی اللہ کا قہر نہ نازل ہو جائے۔

پھر جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا عُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّۃُ حَتّٰی لَوْ مَدَدْتُ یَدِیْ لَتَنَاوَلْتُ مِنْ قُطُوْفِھَا کہ نماز کے دوران ہی میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا یہاں تک کہ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ میں جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل توڑ لوں مگر چھوڑ دیا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ میں نے پھل کے ایک گچھے کو توڑنے کا ارادہ کیا۔ اگر میں اس کو توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس پھل کو کھاتے رہتے مگر وہ ختم نہ ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ غیب کی بات ہے اور اسی طرح رہنی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

پھر فرمایا وَعُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ۔ کہ میرے سامنے دوزخ کو پیش کیا گیا۔ فَجَعَلْتُ اَنْفُخُ خَشْیَۃَ اَنْ یَّغْشَاکُمْ حَرُّھَا۔ میں اس خیال سے زور زور سے سانس لیتا تھا کہ کہیں اس کی گرمی ہماری طرف نہ آجائے۔ اسی وجہ سے نماز کے دوران ایک قدم پیچھے بھی ہٹایا۔ فرمایا وَرَاَیْتُ فِیْھَا سَارِقَ بُدْنَتَیْ۔ میں نے وہاں دوزخ میں اپنے قربانی کے اونٹ چوری کرنے والے کو دیکھا پھر فرمایا وَرَاَیْتُ فِیْھَا اَخَا بَنِیْ دُعْدُعٍ سَارِقَ الْحَجِیْجِ میرے سامنے بنی دعدع کا ایک شخص پیش کیا گیا جو حاجیوں کا سامان چوری کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک ٹیڑھی کھونٹی رکھی ہوئی تھی جس کے ساتھ وہ حاجیوں کا کوئی اچھا کپڑا یا دیگر سامان اٹکا کر کھینچ لیتا تھا۔ اگر کبھی وہ

پکڑا جاتا تو معذرت کر لیتا کہ یہ چیز نادانستہ طور پر کھونٹی سے اٹک گئی ہے حالانکہ میرا ارادہ ایسا نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اس شخص کو بھی دوزخ میں دیکھا۔

اس کے علاوہ فرمایا۔ وَرَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً طَوِيلَةً۔ میں نے دوزخ میں ایک طویل قد عورت کو دیکھا سَوْدَاءَ حِمْيَرِيَّةً جو کالے رنگ کی تھی اور اسکا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر بھوک کے پیلسے مار دیا تھا۔

پھر آپ نے اس بات کی وضاحت بھی فرمائی اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ۔ بیشک سورج اور چاند کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یہ نظام شمسی کا حصہ ہیں جن کی وجہ سے دن رات اور موسموں کا تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کروں کو خاص کام پر لگا رکھا ہے جسے وہ بطریق احسن پورا کر رہے ہیں۔

عربوں کا خیال تھا جب کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے یا مر جاتا ہے تو سورج یا چاند کو گرہن آجاتا ہے۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے کسی پر گرہن آجائے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو جس کی ایک صورت نماز ہے۔ سورج گرہن کے وقت لمبی قرارت لمبے رکوع و سجود اور لمبی دعا کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی جائے۔ البتہ چاند گرہن کے وقت چونکہ عام لوگوں کو جمع کرنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا اس دوران میں فرداً فرداً نماز ادا کی جائے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایسے وقت میں صدقہ خیرات کرو۔ استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ وہ چاند اور سورج جیسی بڑی چیزوں میں تغیر و تبدل کر دیتا ہے تو انسان پر افتاد نازل کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ بہرحال اس وقت میں نیکی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ گرہن سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے لوگ اس کو مشغلے کے طور پر لے لیتے ہیں اور پھر کیمرے لے کر فوٹو کھینچنے لگتے ہیں۔ یہ تو نہایت بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ بعض لوگ بعض رسومات ادا کرنے لگتے ہیں حالانکہ ان

اوقات میں تو وہ کام انجام دینے چاہئیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجام دیئے یا جن کا حکم دیا۔ اِدھر اُدھر کی فضول باتیں کرنا اور فاسد عقیدے کا احیاء کرنا بڑی بُری بات ہے۔ بعض لوگ اس دوران بعض چیزوں پر پابندیاں لگانے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ کسی طرح بھی درست نہیں ہیں۔ فرمایا سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کی موت یا حیات پر ان کو گرہن نہیں آتا۔ سورج یا چاند گرہن سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور نیکی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

قرآن پاک کے قاری حضرات

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اسْتَقْرِءُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَۃٍ مِّنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ.........الخ

(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگو! چار آدمیوں سے قرآن پڑھو اور وہ ہیں عبداللہ بن مسعودؓ ابی حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی ابن کعبؓ یہ چاروں حضرات قرآن کے حافظ، قاری اور عالم تھے۔ چونکہ ان کو قرآن کے ساتھ سب سے زیادہ مناسبت تھی اس لیے حضور علیہ السلام نے انہی سے قرآن سیکھنے کی تاکید فرمائی۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام سب سے پہلے آتا ہے اور حضرت ابی ابن کعبؓ تو ساری امت میں بڑے قاری ہیں ویسے تو اسماء الرجال کے مطابق صحابہ کرامؓ میں دس ہزار حفاظِ قرآن موجود تھے مگر ان چاروں آدمیوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے خاص طور پر حکم دیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو نصف قرآن یاد تھا کسی کو دو تہائی، کسی کو ایک تہائی تاہم مکمل حفاظ کی تعداد دس ہزار تھی جن میں سے مذکورہ چار قاری زیادہ مشہور تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ جو معرکہ ہوا تھا اس میں مؤرخ طبری کے مطابق ستائیس ہزار نفوس جاں بحق ہوتے تھے۔ ان میں اپنے اور بیگانے دونوں گروہ شامل ہیں۔ ان متوفیان میں بارہ سو حفاظ اور قرأ حضرات بھی شامل تھے۔ بہر حال مسیلمہ ہلاک ہوا اور وہ فتنہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ ایسا ہی فتنہ تھا جیسے ہمارے ہاں قادیانی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فحش بات نہیں کی اور نہ ہی آپ کی طبیعت میں فحش کا مادہ تھا۔ آپ نے تکلف کے ساتھ بھی کبھی فحش بات نہیں کی۔ آپ کا فرمان ہے لوگو! اِنَّ مَنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُکُمْ خُلُقًا۔ میرے نزدیک تم میں سے محبوب شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے جو شخص جتنا بداخلاق ہوگا وہ اتنا ہی حضور علیہ السلام سے دور ہوگا۔

نصرتِ الٰہی کے مستحقین اشخاص

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ کُلُّھُمْ حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ عَوْنُ الْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالنَّاکِحُ الْمُسْتَعْفِفُ وَالْمُکَاتَبُ یُرِیْدُ الْاَدَآءَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد دوم صفحہ ۲۵۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنا اللہ تعالےٰ پر حق ہے یعنی اس قسم کے لوگوں کی اللہ تعالےٰ مدد فرماتا ہے۔ پہلا آدمی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ دوسرا وہ آدمی جو برائی سے بچنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہے اور تیسرا وہ غلام شخص ہے جو اپنے مالک کو مکاتبت کی رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

یہ وہ تین شخص ہیں جو نیک نیتی کے ساتھ مذکورہ کام انجام دیتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی ان امور کی انجام دہی میں ان کی مدد کرتا ہے دراصل سمجھانا یہ مقصود ہے کہ اگر ان تین قسم کے لوگوں کو مدد کرنے کی ضرورت ہو تو مخلوق خدا کو ان نیک کاموں کی انجام دہی میں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔

مجاہد کی مدد کرنا ساری مسلمان قوم کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ جو شخص دین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے پر تیار ہو جاتا ہے، اس کے لیے سامان حرب و ضرب مہیا کرنا اور اس کے لیے زاد راہ اور خورد و نوش کا سامان مہیا کرنا دیگر اہل ایمان پر لازم آتا ہے تاکہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکے اسی طرح جو شخص باعفت زندگی گزارنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہے مگر اس کے پاس وسائل نہیں ہیں۔ اس کی مدد بھی کرنی چاہیئے اگر رشتہ نہیں ملتا تو تلاش کر کے دیا جائے یا اگر اسے مالی اعانت کی ضرورت ہے تو وہ مہیا کی جائے کہ یہ بھی مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ آزادی حاصل کرنے کا خواہشمند غلام بھی اعانت کا مستحق ہے۔ اس نے

مالک کے ساتھ کوئی رقم مقرر کر لی ہے تو اس کو حاصل کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔ اسے کام پر لگا دیا جائے تاکہ وہ خود کمائی کرکے مقررہ رقم ادا کر سکے یا ہو سکے تو ویسے ہی اس کی مدد کر دی جائے تاکہ وہ اپنے گلے سے غلامی کا جوا اتار پھینکے۔ غرضیکہ ان تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنے والے اللہ کے ہاں ماجور ہوں گے۔

غسل جنابت کیلئے پانی کی ضرورت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ رَجُلٌ کَمْ یَکْفِیْ رَأْسِیْ فِی الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَۃِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُبُّ بِیَدِہٖ عَلٰی رَأْسِہٖ ثَلَاثًا........ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

کسی شخص نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا کہ غسل جنابت کے لیے پانی کی کتنی مقدار کفایت کرتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین مرتبہ سر پر پانی ڈالتے تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام غسل جنابت کے لیے ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک پانی استعمال کرتے تھے۔ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے اور مُد دو پونڈ کے برابر ہے اس طرح گویا آپ آٹھ پونڈ سے لے کر دس پونڈ تک پانی استعمال کرتے تھے۔

پھر پوچھنے والے آدمی نے کہا کہ میرے سر پر شَعْرِیْ کَثِیْرٌ بہت زیادہ بال ہیں بھلا اتنا کم پانی مجھے کیسے کفایت کریگا تو حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا۔ کَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرَ وَ اَطْیَبَ۔ کہ حضور علیہ السلام کے بال مبارک تم سے زیادہ تھے اور زیادہ پاکیزہ بھی تھے۔ اگر ان کے لیے پانی کی اتنی مقدار کفایت کر سکتی ہے تو تمہارے لیے کیوں نہیں کر سکتی۔ زیادہ پانی استعمال کرنا اسراف میں داخل ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں اس طرح آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک زیادہ بھی تھے اور آپ پاکیزگی بھی زیادہ چاہتے تھے مطلب یہی تھا کہ غسل جنابت کے لیے پانی کی مقدار اتنی کافی ہے۔

───── ۞ ─────

صدقہ کے اوّلین مستحقین

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا قَالَ رَجُلٌ عِنْدِیْ دِیْنَارٌ قَالَ تَصَدَّقْ بِہٖ عَلٰی نَفْسِکَ ...... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! صدقہ کرو یعنی آپ نے لوگوں کو صدقے کی ترغیب دی تو ایک شخص کہنے لگا حضورؐ میرے پاس ایک دینار ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرو۔ وہ شخص کہنے لگا عِنْدِیْ دِیْنَارٌ اٰخَرُ۔ میرے پاس ایک اور دینار ہے میں وہ بھی صدقہ کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا تَصَدَّقْ بِہٖ عَلٰی زَوْجِکَ اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ وہ شخص پھر کہنے لگا عِنْدِیْ دِیْنَارٌ اٰخَرُ۔ حضرت میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تَصَدَّقْ بِہٖ عَلٰی وَلَدِکَ اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس شخص نے پھر کہا عِنْدِیْ دِیْنَارٌ اٰخَرُ۔ میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے جو میں خرچ کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا تَصَدَّقْ بِہٖ عَلٰی خَادِمِکَ۔ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ وہ شخص پھر کہنے لگا عِنْدِیْ دِیْنَارٌ اٰخَرُ میرے پاس اور دینار بھی ہے تو حضور علیہ السّلام نے فرمایا اَنْتَ اَبْصَرُ۔ اب تم بہتر سمجھتے ہو کہ اس کو کس پر خرچ کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے سائل کو یہ بات سمجھا دی کہ صدقہ کرنے سے پہلے اپنی ضروریات کو پورا کرنا ضروری ہے اگر کوئی شخص اپنی ضروریات کا خیال نہیں رکھے گا تو صدقہ کر کے خود محتاج ہو جائے گا اور اسے تکلیف ہوگی۔ فرمایا ہر شخص میں حضرت ابوبکر صدیقؓ والا خلوص تو نہیں کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر کے بھی مطمئن رہیں اسلئے فرمایا کہ اپنی جائز ضروریات کو صدقہ پر مقدم رکھو۔

چہرے پر مارنے کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَجَنَّبِ الْوَجْهَ وَلَا تَقُلْ قَبَّحَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَوَجْهَ مَنْ اَشْبَهَ وَجْهَكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو مارے تو چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے اور یہ بھی نہ کہے کہ خدا تعالیٰ تیرے چہرے کو بگاڑے اور اس شخص کے چہرے کو بھی جو تیرے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

عام طور پر بیوی، بچوں یا نادم کو ادب سکھانے یا تنبیہ کے لیے سزا کے طور پر مارا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی ایسے شخص کو بھی ضرب لگائی جاتی ہے جس نے کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ مگر چہرے پر مارنے کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی چہرے کو خصوصی عزت بخشی ہے حتیٰ کہ جانوروں کو بھی چہرے پر مارنے یا داغ دینے کی ممانعت آئی ہے ہاں اگر کسی کو ضروری سزا دینا مطلوب ہو تو جسم کے کسی دوسرے حصے پر ضرب لگائی جا سکتی ہے جبکہ چہرے کو ہر حالت میں بچانا چاہیئے۔

اللہ کا ذکر کرنے والوں کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَوْ اَبِیْ سَعِیْدٍ یَعْنِی الْاَعْمَشُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ فُضُلًا عَنْ كُتَّابِ النَّاسِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى بُغْیَتِكُمْ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)

صغار تابعین میں سے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے زیادہ گمان یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں۔ یہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں جو لوگوں کے اعمال درج کرنے یا لوگوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔ تو فرمایا کہ جب یہ فرشتے جب کسی قوم یا گروہ کو اللہ کا ذکر کرتے ہوتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ آؤ بھائی تمہارا مقصد یہاں موجود ہے۔

فَیَجِیْئُوْنَ وَیَحُفُّوْنَ بِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْیَا۔ پھر وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کو گھیر لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا سلسلہ آسمان دنیا تک چلا جاتا ہے۔ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اَیَّ شَیْءٍ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ یَصْنَعُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے۔ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ یَحْمَدُوْنَكَ وَیُمَجِّدُوْنَكَ وَیَذْكُرُوْنَكَ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ تیری حمد بیان کر رہے تھے تیری بزرگی بیان کر رہے تھے اور تیرا ذکر کر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَلْ رَاَوْنِیْ۔ کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں مولا کریم! نہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! لَكَانُوْا اَشَدَّ تَحْمِیْدًا وَّتَمْجِیْدًا وَّذِكْرًا۔

اگر وہ دیکھ لیتے تو تیری اور زیادہ حمد بیان کرتے، بزرگی بیان کرتے اور تیرا ذکر کرتے اس کے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَاَیُّ شَیْءٍ یَطْلُبُوْنَ وہ لوگ کیا چیز طلب کرتے ہیں تو فرشتے جواب دیتے ہیں یَطْلُبُوْنَ الْجَنَّۃَ کہ وہ لوگ جنّت کا سوال کرتے ہیں پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنّت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں دیکھا بلکہ ایمان بالغیب ہو، رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ جنّت کو دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کَانُوْا اَشَدَّ عَلَیْھَا حِرْصًا وَ اَشَدَّ لَھَا طَلَبًا کہ اگر وہ لوگ جنّت کو دیکھ لیتے تو ان کی حرص اس کی طرف اور بڑھ جاتی اور وہ مزید شدّت کے ساتھ اس کو طلب کرتے۔

پھر اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فرشتو! تم جن لوگوں کی مجلس سے آتے ہو۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ یَتَعَوَّذُوْنَ۔ وہ کس چیز سے پناہ طلب کرتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں مِنَ النَّارِ۔ وہ لوگ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی تو فرشتے کہتے ہیں۔ کَانُوْا اَشَدَّ مِنْھَا ھَرَبًا وَ اَشَدَّ مِنْھَا خَوْفًا۔ تو وہ اس سے زیادہ بھاگتے اور اس سے زیادہ خوف کھاتے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ۔ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا کیونکہ یہ لوگ میری حمد و ثناء بیان کرنے والے اور ذکر کرنے والے ہیں پھر فرشتے عرض کرتے ہیں کہ فَاِنَّ فِیْھِمْ فُلَانًا الْخَطَّاءَ لَمْ یُرِدْھُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَۃٍ ان میں تو فلاں گنہگار آدمی بھی ہے وہ ان کے ساتھ یونہی آکر بیٹھ گیا تھا جو کسی کام کی غرض سے آیا تھا۔ اس کا مقصد تیری حمد و ثناء بیان کرنا یا ذکر کرنا نہیں تھا۔ تو اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ آدمی کسی اپنی غرض سے لیے آیا تھا مگر ذاکرین الٰہی کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے وہ بھی محروم نہیں رہے

گا بلکہ اس کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ذکر الٰہی کی مجالس اس قدر فضیلت والی ہوتی ہیں کہ جو ان میں کسی ارادے سے بھی بیٹھ گیا اس کو بھی اجر ملے گا۔

مسلمان بھائی سے ہمدردی کا صلہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

یہ بڑی مشہور حدیث ہے جو اکثر سنی سنائی جاتی ہے اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سی باتیں بیان فرمائی ہیں جو حقیقت میں بے مثال جواہر پارے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی مومن کی تکلیف کو دور کرے گا۔ قیامت والے دن اللہ تعالےٰ اس کی تکلیف کو دور کر دے گا، کوئی شخص بیمار ہو جاتے کسی کو کوئی حادثہ پیش آجاتے یا کوئی دیگر دنیوی تکلیف میں مبتلا ہو اور دوسرا مسلمان اس تکلیف کو ہٹانے میں مصیبت زدہ کی اعانت کرے تو اللہ تعالےٰ قیامت والے دن ایسے شخص کی پریشانیوں تکالیف اور مصائب کو دور فرما دے گا۔

آپ نے دوسری بات یہ فرمائی وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ جس شخص نے کسی مسلمان بھائی کی ستر پوشی کی اس کے عیوب کو ظاہر کرنے کی بجائے پردے میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایسے شخص کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اسے رسوا ہونے سے بچائیگا۔

آپ کا تیسرا جوہر پارہ یہ ہے۔ مَنْ یَسَّرَ عَنْ مُعْسِرٍ یَسَّرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی۔ مثلاً کسی مقروض کو مہلت دے دی اس پر سختی نہیں کی، تو فرمایا اللہ تعالےٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت

میں آسانی پیدا فرمائے گا اور اسے کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونا پڑے گا۔

چوتھی بات یہ فرمائی وَاللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ اَخِیْہِ۔ جو شخص کسی مسلمان بندے کی مدد میں ہوتا ہے یعنی ضرورت کے وقت اس کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی مشکل کے وقت مدد فرماتا ہے۔

آپ نے پانچویں نمبر پر فرمایا وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْہِ عِلْمًا سَھَّلَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّۃِ۔ جو شخص حصول علم کے لیے راستے پر چلا یعنی اس مقصد کے لیے سفر اختیار کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرما دیتا ہے۔ اس علم سے مراد دین کا علم ہے۔ پھر جب ایسا شخص علم حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور وہ آسانی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

آپ کا چھٹا گوہر پارہ یہ ہے۔ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَحَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ جب کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر یعنی مسجد میں جمع ہوں اور وہاں اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اور آپس میں اس کو پڑھیں پڑھائیں تو خدا تعالیٰ کی جانب سے ان پر تسلی نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ کے فرشتے ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اس مخلوق کے سامنے کرتا ہے جو اس کے پاس ہے۔ اس مخلوق سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں جن کے سامنے اللہ تعالیٰ مسجد میں جمع ہونے والے لوگوں کی تعریف بیان کرتا ہے کہ یہ اللہ کے کلام کو پڑھنے پڑھانے والے لوگ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے عمل کی قبولیت پر فرشتوں کو گواہ بنا لیتا ہے اور ان کو اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

آپ نے ساتویں بات یہ فرمائی۔ وَمَنْ اَبْطَأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ

بِہٖ نَسَبُہٗ" جس شخص کا عمل اس کو پیچھے کی طرف ہٹائیگا اس کا حسب نسب اس کو آگے نہیں بڑھائیگا یعنی آگے کی طرف نہیں لے جا سکتا۔ مطلب یہ ہے درجات کی بلندی کا دارومدار اعمال پر ہے نہ کہ نسب پر۔ جس شخص کے اعمال ایسے ہیں جو اس کو ذلت و رسوائی کی طرف دھکیل رہے ہیں تو اس کا خاندان خواہ کتنا بھی اونچا ہو اس کو عزّت نہیں دلا سکتا۔ اللہ تعالےٰ کا یہ اٹل قانون ہے کہ اگر اعمال اچھے نہیں تو نہ نسب کام آئے گا اور نہ خالی کسی اچھے آدمی کی طرف نسبت کام دے گی۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنے اعمال کی درستگی اور فکر کی پاکیزگی کی طرف دھیان دینا چاہیئے کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ جو لوگ محض نسب پر قناعت کر کے بیٹھ جاتے ہیں وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔"

مدینے کی تکلیف پر صبر کا صلہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَصْبِرُ اَحَدٌ عَلٰی لَاْوَاءِ الْمَدِیْنَۃِ وَجَہْدِہَا اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی تکلیف اور مشقت پر صبر کریگا، میں قیامت والے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کی گواہی دوں گا۔ یہ خوشخبری دونوں حرمین یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لیے ہے۔ لوگ وہاں پر اقامت اختیار کرتے ہیں اور پھر مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور وہاں پر وفات پاتے ہیں۔ حج اور زیارت مدینہ کے لیے جو لوگ جاتے ہیں تو بعض اوقات تکالیف بھی پیش آجاتی ہیں اور انسان کو پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسی حالت میں جو شخص صبر کا دامن تھامے رکھے گا اور مشکل پیش آنے پر جزع فزع یا گلہ شکوہ نہیں کریگا، میں قیامت والے دن اس کی بخشش کی سفارش کروں گا۔ گویا ان دو متبرک مقامات کی تکالیف بھی انسان کے حق میں بمنزلہ رحمت کے ہیں جس شخص کو معمولی تکلیف کے بدلے حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہو جائے اسے اور کیا چاہیئے۔

اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو! اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور ابتداء ان سے کرو جن کے تم کفیل ہو۔

اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور نچلے ہاتھ سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو نیچے پھیلے ہوتے ہاتھ کے اوپر رکھ دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والا غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی اعانت والا بہر حال مدد کرنے والوں سے افضل ہے البتہ اس میں خصوصی نقطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب حاجتمندوں پر خرچ کرنا چاہو تو پھر اپنے قریبی زیر کفالت، عزیز و اقارب سے شروع کرو۔ اگر بچ جاتے تو دوسروں کو بھی شامل کر لو۔

رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنیکی ممانعت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَاۗءِ الرَّاکِدِ ثُمَّ یَتَوَضَّاُ مِنْہُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔ رکے ہوتے پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے لہذا اس سے وضو کرنا روا نہیں۔ اس حدیث میں جس پانی کا ذکر ہے۔ اس سے مراد ماءِ قلیل یعنی تھوڑا پانی ہے جو ناپاک ہو جاتا ہے۔ وہاں اگر ماءِ کثیر مثلاً بہت بڑا تلاب ہو یا نہر ہو تو اس میں پیشاب کرنے سے پانی پلید نہیں ہوتا اور ایسے پانی سے وضو کیا جا سکتا ہے ندی نالے یا نہر وغیرہ کے جاری پانی میں پیشاب کرنا اگرچہ بہتر نہیں ہے تاہم وہ ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے وضو یا غسل کیا جا سکتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا صبر و تحمل

اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ ھِلَالِ الْقُرَشِیُّ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ فَلَمَّا قَامَ قُمْنَا فَجَاءَ ہٗ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ اَعْطِنِیْ یَا مُحَمَّدُ فَقَالَ لَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فَجَذَبَہٗ فَخَدَشَہٗ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

محمد بن ہلال اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوتے سنا کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مسجد میں تھے پھر جب آپؐ کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے کچھ عنایت کریں۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کو اس وقت دینا مناسب نہ سمجھا اور انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالےٰ سے معافی طلب کرو۔ اس اعرابی نے حضور علیہ السلام کی گردن مبارک میں پڑی ہوئی چادر کو زور سے کھینچا حتیٰ کہ آپ کو خراش آگئی پھر حضور علیہ السلام نے اس کو مطلوبہ چیز دے دی۔ صحابہ کرام اس شخص کی سرزنش کیلیے آگے بڑھے مگر آپ نے اس شخص کے ساتھ تعرض کرنے سے منع فرما دیا۔

مُسلم شریف کی روایت میں اس طرح آتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ اعرابی آئے جنہوں نے سوال کیا۔ آپ نے تقسیم کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ چیز ختم ہوگئی۔ پھر انہوں نے آپ کی چادر مبارک یا کمبل کو کھینچا حتیٰ کہ وہ کمبل بھی پھٹ گیا اور آپ کی گردن مبارک زخمی ہوگئی۔ صحابہ کرام ان لوگوں کو تنبیہہ کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے منع فرمایا اور ان کی سختی کا جواب مسکراہٹ کے ساتھ دیا۔ نیز فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ مانگتے ہیں ان کو دے دیا جائے۔

یہ اخلاقِ عالی صرف پیغمبر خدا کا ہی ہو سکتا ہے یا وہ شخص اس صفت سے متصف ہو سکتا ہے جس کو خدا تعالےٰ کا عظیم قرب حاصل ہو۔ عام آدمی ایسی بدسلوکی

پر صبر نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ کے رسول تھے لہٰذا آپ نے ان دیہاتیوں کی بدسلوکی کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی، بلکہ ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔

چار چیزوں سے پناہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَعَوَّذُ مِنْ اَرْبَعٍ مِّنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابوہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے یعنی ۱۔ جہنم کے عذاب سے ۲۔ قبر کے عذاب سے ۳۔ زندگی اور موت کے فتنہ سے اور ۴۔ دجّال کے فتنہ سے ظاہر ہے کہ جہنم خدا تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے اور قبر عقبیٰ کی پہلی منزل ہے وہاں بھی آزمائش ہوگی۔ زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ انسان برائی کے کاموں میں مصروف رہے اور نیکی سے محروم ہو جائے۔ اور موت کا فتنہ یہ ہے کہ اس دنیا سے جاتے وقت انسان ایمان سے محروم ہو جائے۔ دجال کا فتنہ یہ ہے کہ وہ ظاہر ہو کر ساری دنیا کے لوگوں کو پریشان کر دے گا اور لوگ سخت آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر صور اسرافیل پھونکنے تک اتنا بڑا فتنہ کبھی نہیں ہوگا جتنا دجال کے خروج کے وقت ہوگا۔ چنانچہ آپ نے انہی الفاظ کے ساتھ دعا بھی سکھلائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ موطا اور مسلم شریف کی روایت میں مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم گناہ اور تاوان سے بھی پناہ چاہتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑا فتنہ ہوتا ہے۔ جب کسی شخص پر کوئی بوجھ پڑ جاتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے اور اس طرح فتنے میں پڑ جاتا ہے۔ خدا اس فتنے سے بھی بچائے۔

امّت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ حَدَّثَ مَرْوَانَ بْنَ حَکَمٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ حِبِّیْ اَبُوْ الْقَاسِمِ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ ھَلَاکَ اُمَّتِیْ عَلٰی یَدَیْ غِلْمَۃٍ سُفَہَآءَ مِنْ قُرَیْشٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابوہریرہؓ نے مروان بن حکم کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ میرے پیارے پیغمبر، جو صادق اور مصدوق ہیں نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند بیوقوف نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی ظاہر ہے کہ یہ خاندانِ قریش ہی کے لوگ تھے جن کی وجہ سے امّت میں سخت بگاڑ پیدا ہوا۔ خود مروان بھی اسی زمرہ کا آدمی تھا۔ اس نے نو ماہ تک حکومت کی۔ حضرت عثمانؓ کے متعلق بہت سا شر اسی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ حجاج بن یوسف اگرچہ قریش خاندان سے نہیں تھا لیکن ان کے ماتحت ضرور تھا۔ اس نے بھی لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے اور اس کی وجہ سے بڑا سخت فتنہ پیدا ہوا۔ امام حسینؓ اور دیگر اہلِ بیت کے ساتھ جو زیادتی ہوئی وہ بھی انہی لوگوں کا شاخسانہ تھی۔ الغرض حضور علیہ السلام نے یہ پیش گوئی فرمادی تھی کہ قریش کے چند بیوقوف نوجوانوں کے ہاتھوں میری امت کی تباہی و بربادی ہوگی۔

قربِ قیامت کی بعض علامات

يَقُولُ مَا أَدْرِي كَمْ رَأَيْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَائِمًا فِي السُّوقِ يَقُولُ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الْهَرْجُ قَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَحَرَّفَهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت ابوہریرہؓ کو کبھی دیکھا ہے جو بعض اوقات لوگوں کو سمجھانے کے لیے بازار میں کھڑے ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ علم اٹھا لیا جائیگا، فتنے ظاہر ہوں گے اور ہرج زیادہ ہو جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہرج کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا قتل عام ہوں گے۔ گویا ہرج سے مراد قتل کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب علم کی بجائے جہالت زیادہ ہو گی۔ طرح طرح کے فتنے سر اٹھائیں گے اور قتل و غارت گری ایک معمولی چیز سمجھی جائے گی۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ زنا عام ہو جائے گا۔ بہر حال ان چیزوں کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔

ضیافت کا قانون

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلضِّیَافَۃُ ثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ضیافت تین دن تک ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر صدقہ ہوتا ہے۔ یہ میزبانی کا قانون بیان کیا گیا ہے اگر میزبان میں مہمان نوازی کی زیادہ توفیق نہیں ہے تو نہ کرے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ مہمان کو ایک دن رات پر تکلف کھانا کھلایا جائے مہمان کو بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے حلال نہیں کہ وہ اپنے میزبان کے ہاں زیادہ دیر قیام کر کے اسے حرج میں مبتلا کرے یہ تو عام مہمانوں کا قانون ہے۔ البتہ کوئی عزیز رشتہ دار یا مخلص دوست ہو تو وہ زیادہ عرصہ بھی ٹھہر سکتا ہے۔ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جو شخص اللہ کی توحید اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ مہمان کی عزت کرے۔ اور مہمان کو بھی میزبان کا خیال رکھتے ہوئے زیادہ دیر ٹھہر کر اسے مشقت میں مبتلا نہیں کرنا چاہیئے کہ کہیں تنگدست میزبان مقروض ہی نہ ہو جائے۔

مقروض آدمی کی نماز جنازہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَہِدَ جَنَازَۃً سَاَلَ ھَلْ عَلٰی صَاحِبِکُمْ دَیْنٌ..... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۲ صفحہ ۲۹۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول تھا کہ جب آپ کسی جنازہ میں شرکت فرماتے تو نماز جنازہ شروع کرنے سے پہلے دریافت فرماتے کہ کیا تمہارے اس ساتھی کے ذمّے کوئی قرض تو نہیں؟ اگر صحابہ کہتے کہ ہاں اس شخص کے ذمّہ قرضہ ہے۔ پھر آپ دریافت فرماتے ھَلْ لَہٗ وَفَاءٌ کہ اس متوفی کی جائیداد میں اس قدر مال ہے جس سے قرضہ ادا کیا جاسکے اگر لوگ کہتے کہ اس کی جائیداد میں قرض کی ادائیگی کے لیے مال موجود ہے تو آپ اس شخص کا جنازہ پڑھا دیتے۔ اور اگر لوگ کہتے کہ اس کی جائیداد میں قرض کی ادائیگی کے لیے گنجائش نہیں ہے تو آپ فرماتے صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ کہ تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھو میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔

یہ اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَیْہِ الْفُتُوْحَ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو فتوحات نصیب فرمائیں اور مسلمانوں کو کشادگی حاصل ہوگئی تو ایسے موقع پر حضور علیہ السلام فرماتے اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ میں تو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہوں۔ فَمَنْ تَرَکَ دَیْنًا فَعَلَیَّ۔ پس جس شخص کے ذمّے قرض ہو یعنی وہ مقروض حالت میں مر جائے تو اس کا قرضہ میرے ذمّے ہے جو میں ادا کرونگا وَمَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِہٖ۔ اور جس نے اپنے پیچھے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

اس سے یہ تعلیم دینا مراد ہے کہ قرضہ کو معمولی چیز نہ سمجھا جائے، یہ حقوق العباد میں شامل ہے جسے حقدار کی طرف سے معافی کے بغیر خدا تعالیٰ بھی معاف نہیں کریگا

لہذا اگر قرضہ لیا ہے تو اسے خود ادا کرنا چاہیئے۔ یہ اتنا اہم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مقروضوں کا جنازہ بھی نہیں پڑھا۔ پھر جب اللہ نے وسعت عطا کر دی تو ایسے شخص کا قرضہ بیت المال سے ادا ہونے لگا۔ جو شخص بغیر قرضہ ادا کئے مر گیا قیامت والے دن اس کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جائیں گی اور اگر پھر بھی حق ادا نہ ہوا تو قرض خواہ کے گناہ مقروض پر ڈال دیئے جائیں گے۔ ہمارے ہاں دونوں طرف کوتاہی پائی جاتی ہے۔ سود کی کشش نے قرض حسنہ کا دروازہ عام طور پر بند کر دیا ہے اور مقروض کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ قرض لے کر ہضم کر جاؤں۔ دونوں فریقوں کو اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔ نہ قرض دینے میں بخل ہو اور نہ لوٹانے میں پس و پیش کیا جائے۔

دنیوی غرض کے لیے جہاد

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَهُوَ یَبْتَغِیْ عَرَضَ الدُّنْیَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجْرَ لَهٗ ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت صفحہ ۲۹۰ جلد ۲)

حضرت ابوہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص اللہ کے راستے میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ وہ دنیاوی مفاد بھی وابستہ کرتا ہے تو ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایسے شخص کو جہاد کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اس شخص نے دوسری دفعہ یہی سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے یہی جواب دیا۔ پھر اس شخص نے تیسری مرتبہ یہی سوال دہرایا کہ ایک شخص جہاد کے لیے جاتا ہے مگر وہ مال غنیمت یا کوئی دوسرا دنیاوی مفاد بھی حاصل کرنا چاہتا ہے تو آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی جواب دیا کہ اس شخص کو جہاد کا کوئی اجر اللہ کے ہاں نہیں ملے گا کیونکہ اس کا فرمان تو ہے۔ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو فی سبیل اللہ کا مطلب اللہ کی رضا دین کی اقامت اور ملت کا دفاع ہے۔ مال غنیمت یا کوئی لونڈی وغیرہ تو ثانوی حیثیت کی چیزیں ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے جہاد کے نتیجے میں مال و دولت بھی عطا کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ جہاد کرنا ہی مجاہد کا اصل مطمع نظر ہونا چاہیئے۔ اگر آدمی جہاد میں شہید ہو جاتے تو وہ اللہ کے ہاں بلند مرتبہ پاتا ہے اور اگر ناکام واپس آ جاتے تو بھی نیتِ صحیحہ کی بنا پر پورے پورے اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اور نیّت یہی ہونی چاہیئے کہ وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کے دین کی اقامت کے لیے جان کا

نذرانہ پیش کر رہا ہے۔ کوئی ذاتی مفاد یا بہادری دکھا کر داد وصول کرنا مقصود نہیں ہونا چاہیئے اگر ایسا ہو گا وہ تو اللہ کے ہاں لا محدود اجر و ثواب سے محروم ہو جائیگا۔

انسان کی فطرت سلیمہ پر پیدائش

عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِیْعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِیَّۃً یَوْمَ حُنَیْنٍ۔۔۔۔۔۔الخ

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۴)

حضرت اسود بن سریعؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ میں ایک چھوٹا سا لشکر روانہ فرمایا۔ یہ لوگ وہاں جا کر عربوں کے کسی قبیلے کے ساتھ لڑے اور دشمن اور ان کے بچوں کو بھی قتل کیا۔ پھر جب یہ لوگ واپس لوٹے تو اس واقعہ کا ذکر حضور علیہ السلام کے ساتھ کیا تو آپ نے اس کا برا منایا اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے مقابلہ میں آنے والے دشمنوں کو تو قتل کیا مگر چھوٹے بچوں کو کیوں مارا کیونکہ وہ تو بیچارے بے گناہ تھے۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا۔ اَوَلَیْسَ ھُمْ اَوْلَادُ الْمُشْرِکِیْنَ۔ حضور! کیا وہ مشرکوں کی اولاد نہیں تھے؟ ہم نے تو مشرکوں کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی تہ تیغ کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّ اَخْیَارَکُمْ اَبْنَاءُ الْمُشْرِکِیْنَ۔ آج تم میں جو اچھے لوگ ہیں وہ مشرکوں ہی کی اولاد ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ کیا تمہارے آباؤ اجداد مشرک نہیں تھے؟ جس طرح مشرکوں کی اولاد ہونے کے باوجود تم نے ایمان قبول کیا، ہو سکتا ہے کہ یہ بچے بھی بڑے ہو کر ایمان قبول کر لیتے۔ پھر آپ نے فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا مِنْ نَسَمَۃٍ تُوْلَدُ اِلَّا عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہر جان فطرت سلیمہ پر ہی پیدا ہوتی ہے حَتّٰی یُعْرِبَ عَنْھَا لِسَانُھَا یہاں تک کہ اس کی زبان بولنے لگتی ہے اور پھر اس کے والدین جس ماحول میں ہوتے

ہیں اسی ماحول میں بچے کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر والدین یہودی ہیں تو بچہ یہودی ماحول میں ڈھلتا ہے اور اگر وہ نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں تو بچہ بھی اسی ماحول میں پرورش پاتا ہے، تاہم ابتدا میں وہ فطرت پر ہی ہوتا ہے اسی لیے اسلام نے دوران جنگ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ہاں اگر کوئی عورت خود جنگ میں براہِ راست حصّہ لیتی ہے تو پھر اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے مشرکوں میں سے جو لوگ عبادت گزار ہیں اور عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔

چار قسم کے آدمیوں کا امتحان

عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِیْعٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعَۃٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ اَصَمُّ لَا یَسْمَعُ شَیْئًا۔ ...... الخ
(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴)

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن چار قسم کے آدمی اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور ان کا امتحان ہوگا۔ فرمایا ان میں سے ایک رَجُلٌ اَصَمُّ لَا یَسْمَعُ شَیْئًا۔ آدمی بہرہ ہوگا جو کچھ نہیں سن سکتا تھا۔ وَرَجُلٌ اَحْمَقُ اور دوسرا آدمی احمق ہوگا جس کو کسی قسم کی سمجھ نہیں ہے۔ وَرَجُلٌ ھَرِمٌ اور تیسرا انتہائی بوڑھا آدمی۔ وَرَجُلٌ مَاتَ فِیْ فَتْرَۃٍ اور چوتھا آدمی وہ ہوگا جو فترت کے زمانے میں مر گیا یعنی ایسے دور میں زندگی گزاری جس دوران اللہ کا کوئی نبی نہیں آیا۔

سب سے پہلے بہرہ آدمی بارگاہ رب العزت میں پیش ہوگا فَیَقُوْلُ رَبِّ تو پروردگار فرمائے گا۔ لَقَدْ جَآءَ الْاِسْلَامُ۔ کہ دنیا میں اسلام آیا مگر تو نے اسے قبول نہ کیا؟ تو وہ عرض کریگا پروردگار مَا اَسْمَعُ شَیْئًا۔ مجھے تو کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا لہٰذا نہ میں نے تیرا حکم کسی سے سنا اور نہ میں اس پر ایمان لایا۔ پھر احمق آدمی پیش ہوگا تو پروردگار فرمائے گا کہ اسلام آیا تھا مگر تو ایمان کیوں نہیں لایا؟ وہ عرض کریگا پروردگار! وَالصِّبْیَانُ یَحْذِفُوْنَنِیْ بِالْبَعْرِ۔ میری عالت تو یہ تھی کہ بچے مجھے پتھر مارتے تھے، مینگنیاں پھینکتے تھے، میں تو معذور تھا بھلا اسلام کو کیسے قبول کرتا۔ پھر بوڑھے آدمی کی باری آئے گی تو اللہ تعالےٰ اس سے بھی یہی سوال کریگا کہ دنیا میں اسلام آیا تھا مگر تو نے قبول کیوں نہ کیا؟ تو وہ عرض کریگا وَمَا اَعْقِلُ شَیْئًا۔ کہ میں تو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ کوئی چیز سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی،

بھلا میں کیسے اسلام قبول کرتا۔ انتہائی بڑھاپے کی حالت میں واقعی انسان کی عقل ماری جاتی ہے اسی لیے تو اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

آخر میں چوتھے شخص کی باری آئے گی جو فترت کے زمانہ میں مرگیا جب اس سے بھی اللہ تعالےٰ یہی سوال کریگا کہ تو نے اسلام قبول کیوں نہ کیا تو وہ عرض کریگا پروردگار! مَا اَتَانِیْ لَکَ رَسُوْلٌ فَیَاْخُذُ مَوَاثِیْقَهُمْ لَیُطِیْعُنَّهٗ میرے پاس تو تیرا کوئی رسول آیا ہی نہیں جو مجھے حق کا راستہ بتاتا اور میں اس کی اطاعت کرتا۔ فترت سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو۔ غرضیکہ یہ چار قسم کے آدمی اسلام کی عدم قبولیت کے متعلق اپنے اپنے عذر پیش کریں گے۔

اب اللہ تعالےٰ ان کی دوسرے طریقے سے آزمائش کریگا وہ ان سے کہے گا کہ اچھا دنیا میں تو تمہارے یہ عذر موجود تھے کہ تمہیں میرا پیغام نہ پہنچ سکا یا اگر پہنچا تو تم اس قابل نہیں تھے کہ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کر سکتے۔ اب بتاؤ کہ اس وقت میں تمہیں جو حکم دونگا اس پر عمل کرو گے وہ عرض کریں گے پروردگار! ہم بسر و چشم تیرے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اللہ تعالےٰ حکم دیگا کہ چلو دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ پھر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ لَوْ دَخَلُوْهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَّسَلَامًا اگر وہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو وہ دوزخ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی اور وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور جو شخص دوزخ میں داخل ہونے سے انکار کریگا اس کو گھسیٹ کر اس میں پھینک دیا جائیگا۔ اور ایسا شخص اس امتحان میں ناکام ہو جائے گا۔

یہ تو ان لوگوں کے متعلق ہے جن کے لیے دنیا میں اسلام کی حقیقت کو سمجھنا ممکن نہ تھا البتہ مشرک کو اللہ تعالےٰ کسی صورت میں بھی معاف نہیں کریگا اور اگر کفر کا ارتکاب کیا ہے تو وہ بھی معاف نہیں ہوگا اگرچہ اس تک دنیا میں رسول نہ پہنچا ہو۔ ایسی صورت میں احکام کے بارے میں تو باز پرس نہیں ہوگی مگر کفر کا مواخذہ ضرور ہوگا۔ امام ابوحنیفہ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پیدا ہوتے ہی کسی صحرا میں پہنچ جائے یا کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے جہاں کسی انسان کا گزر نہ ہو تو ایسا شخص بھی کفر کے مواخذہ سے نہیں بچ سکے گا کیونکہ اللہ کی واحدانیت کی پہچان کے لیے کسی ہادی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنی عقل کے ساتھ پہچانے۔ اللہ نے کائنات میں اپنی قدرت کی لاتعداد نشانیاں پھیلا رکھی ہیں اگر کوئی شخص ان میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتا تو اس کیلئے کوئی معافی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے توحید کو عقلی طور پر بھی سمجھنا ضروری ہے۔

ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَمِعْتُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صَوْمِ الدَّھْرِ قَالَ مَا صَامَ وَمَا اَفْطَرَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد چہارم صفحہ ۲۴)

حضرت مطرف بن عبداللہؓ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا شخص نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ افطار کرتا ہے گویا صوم الدہر ایک عادت سی بن جاتی ہے جس کا کچھ اجر نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ صوم الدہر کی بہترین صورت وہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اختیار کرتے تھے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے یا ایک دن روزہ رکھنے کے بعد دو دن چھوڑ دیتے۔ ہاں کوئی شخص ہر ماہ تین روزے رکھ لے تو اس کو صوم الدہر کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پورا سال مسلسل روزہ رکھنا اگرچہ جائز ہے اور بعض بزرگوں نے اس پر عمل بھی کیا ہے مگر حضور علیہ السلام نے اس طریقے کو پسند نہیں فرمایا۔ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ اور بعض دیگر صحابہ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ سارا سال روزہ رکھتے تھے۔ بعض تابعین بزرگان اور سلف صالحین بھی ایسا کرتے تھے مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر صورت یہ ہے کہ ہر ماہ تین روزے رکھ لیے جائیں تو صائم الدہر کا ثواب حاصل ہو جائے گا یا پھر داؤد علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔ اس میں آزمائش بھی زیادہ ہے اور اجر بھی زیادہ ہے۔

اپنا اور بیگانہ مال

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ اَبِیْہِ ـــــــ قَالَ اَنْتَھَیْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَقُوْلُ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ یَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِیْ مَالِیْ وَمَالَکَ مِنْ مَّالِکَ اِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَیْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ اَوْ اَکَلْتَ فَاَفْنَیْتَ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴)

حضرت مطرف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ کثرت طلب نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم مقبروں کی زیارت کرو۔ جب تم قبروں میں پہنچو گے تو حقیقت حال کھل کر سامنے آ جائے گی کہ تم دنیا میں رہ کر کس کام میں لگے رہے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی ہر وقت "میرا مال" "میرا مال" کہتا رہتا ہے، یعنی اسے ہر وقت مال کی فکر دامن گیر رہتی ہے حالانکہ فرمایا کہ تیرا مال تو وہ ہے مَا تَصَدَّقْتَ جو تو نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا آخرت میں وہ تیرے لیے زاد راہ ہوگا۔ یا تیرا مال وہ ہے لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ۔ جو تم نے پہن کر بوسیدہ کر دیا۔ زندگی میں۔ تم نے جس قدر لباس پر خرچ کیا اور جو تم نے پہن لیا وہ مال بھی تمہارا ہے۔ اَوْ اَکَلْتَ فَاَفْنَیْتَ۔ یا جو تو نے کھا کر فنا کر دیا وہ تمہارا مال ہے کہ تمہاری ذات پر صرف ہوا۔ ان تین مدات کے علاوہ جو مال تو نے خرچ کیا یا جمع کر کے چھوڑ گیا وہ تیرا مال نہیں ہے۔ نہ دکان تیری ہے، نہ مکان اور زمین۔ سونا چاندی سب یہیں رہ جانے والا مال ہے لہٰذا یہ بھی تیرے وارثوں کا ہے۔ تیرا مال وہی ہے جو تو نے استعمال کر لیا یا آگے بھیج دیا اس کی حقیقت مرنے کے بعد ہی کھلے گی۔

گمشدہ جانوروں کی بازیابی

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَوَامُ الْإِبِلِ نُصِيبُهَا قَالَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۵)

حضرت مطرف اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور! بعض اوقات ہم بھٹکے ہوتے اونٹ پالیتے ہیں، یعنی کسی کا گمشدہ اونٹ ہمیں مل جاتے تو ایسے جانوروں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔ کسی مسلمان کے بھٹکے ہوتے جانور پر قبضہ آگ میں جلنے کا باعث ہے یعنی ایسے جانور پر بلا تصدیق و تشہیر قبضہ کر لینا سخت گناہ کی بات ہے جس کی پاداش میں انسان دوزخ میں جا سکتا ہے۔

ایسے جانور کے متعلق شرعی قانون یہ ہے کہ اس کی تشہیر کرو تاکہ مالک خود آکر لے جاتے۔ اگر مال زیادہ قیمتی ہے تو سال بھر تک اس کی بازیابی کا اعلان کرتے رہنا چاہیئے اگر پھر بھی مالک نہیں آتا تو اگر وہ خود مسکین ہے تو اس مال کو استعمال کر سکتا ہے اور اگر صاحب نصاب ہے تو اس کو صدقہ کر دے۔ اگر مال کا مالک بعد میں بھی آ جاتے تو وہ واپس کرنا پڑیگا۔ اسی لیے گری پڑی چیز کو اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ اگر اٹھاتے گا تو اس پر شرعی ذمہ داری عائد ہوگی۔

ایک کپڑے میں نماز

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد چہارم صفحہ ۲۶)

یہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رض کی روایات ہیں۔ حضرت ابو سلمہ رض مہاجرین میں سے تھے بڑے شریف الطبع اور فضیلت والے آدمی تھے۔ آپ اور آپ کی بیوی ابتدائی دور میں اسلام لاتے پھر میاں بیوی نے مشرکوں کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب حضور علیہ السلام مکہ سے مدینہ آگئے تو یہ لوگ بھی حبشہ سے مدینہ طیبہ چلے آتے۔ ابو سلمہ رض مدینہ میں فوت ہوتے اس کا ذکر بعد والی حدیثوں میں آئے گا۔

حضرت ابو سلمہ رض کی وفات کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت اُمّ سلمہ رض سے نکاح کر لیا اور اس طرح وہ امہات المومنین میں شامل ہو گئیں۔ آپ بڑی علم والی اور فضیلت والی خاتون تھیں۔ آپ نے لوگوں کو دین سکھایا اور نیکی کی باتیں بتلائیں۔ حضرت خدیجہ رض، حضرت عائشہ رض، حضرت زینب رض، حضرت ام سلمہ رض اور حضرت حفصہ رض جلیل القدر امہات المومنین ہیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی تکالیف برداشت کیں اور دین کے لیے ان کی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں۔

جب حضور علیہ السلام نے حضرت ام سلمہ رض کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت عمر رض ابھی بچہ تھے آپ کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے دیگر چھوٹے صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رض، حضرت عبداللہ بن عباس رض، حضرت حسن رض، حضرت حسین رض، حضرت عبداللہ بن جعفر رض اور حضرت مصائب بن یزید رض وغیرہ شامل ہیں۔

یہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رض کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے ایک بڑی چادر لپیٹ رکھی تھی جس کے دونوں کنارے

گردن پر بندھے ہوتے تھے تاکہ چادر کا کچھ حصہ کندھوں پر بھی آجائے ہاں اگر کپڑا بالکل چھوٹا ہو تو اس کو صرف جسم کے نچلے حصے پر ہی پہننا چاہیئے۔ اگر پورا لباس موجود ہے تو اس میں ہی نماز ادا کرنی چاہیئے تاہم اگر مجبوری ہو تو ایک کپڑے میں بھی یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے اگر اللہ نے وسعت دی ہے تو قمیض، شلوار یا تہ بند استعمال کرے سر پر بھی پگڑی یا ٹوپی ہو، رومال باندھ لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۔ ۳۱) ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ پھٹا پرانا یا میلا کچیلا لباس اچھا نہیں ہے۔ ہاں اگر دوسرا کپڑا کسی وقت میسر نہیں ہے تو ایک کپڑے میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہے۔

کھانے کے آداب

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِطَعَامٍ فَقَالَ یَا عُمَرُ قَالَ ھِشَامٌ یَا بُنَیَّ سَمِّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ قَالَ فَمَا زَالَتْ اَکْلَتِیْ بَعْدُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶)

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھانا لایا گیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ ابھی بچے تھے۔ یہ بھی آکر کھانے میں شریک ہو گئے تو آپ نے ان کو کھانے کے کچھ آداب سکھائے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا جب کھانا شروع کرو تو اللہ کا نام لیا کرو یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ پڑھ کر کھانا شروع کرو یا صرف بسم اللہ کہہ دو۔ یا بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ بھی کہہ سکتے ہو پھر فرمایا کُلْ بِیَمِیْنِکَ کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ کیونکہ بائیاں ہاتھ غلیظ کاموں طہارت وغیرہ کے لیے ہے لہذا کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ۔ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ دوسروں کے آگے سے نہ کھاؤ۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ برتن میں ایک ہی قسم کا کھانا تھا اگر حضرت عمرؓ نے ادھر ادھر ہاتھ مارنا شروع کر دیا تو آپ نے سامنے سے کھانے کی تلقین کی۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ دوسرے برتن میں کچھ متفرق قسم کی کھجوریں تھیں مگر وہ ڈر کے مارے سامنے سے ہی اٹھاتے تھے اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ مختلف الانواع کھجوریں ہیں۔ اب اپنے سامنے سے کھانا ضروری نہیں جونسی کھجور تمہیں پسند ہے وہیں سے اٹھالو۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے مجھے یہ تعلیم دی فَمَا زَالَتْ اَکْلَتِیْ بَعْدُ تو اس کے بعد میں نے ہمیشہ اس نصیحت کی پابندی کی اور کھانے کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا۔

حضرت امّ سلمہؓ سے نکاح

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ اَتَانِیْ اَبُوْ سَلَمَۃَ یَوْمًا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْلًا فَرِحْتُ بِہٖ فَقَالَ لَا تُصِیْبُ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مُصِیْبَۃٌ فَیَسْتَرْجِعُ عِنْدَ مُصِیْبَتِہٖ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۷)

یہ روایت اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی ہے۔ اس سے پہلے آپ کے فرزند عمر بن ابی سلمہؓ کی کچھ روایات بیان ہو چکی ہیں۔ حضرت اُمّ سلمہؓ خاندان قریش کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ نے اپنے خاوند ابو سلمہؓ سمیت ابتداء میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ جنگ خیبر کا زمانہ تھا جب یہ حبشہ سے مدینہ طیبہ پہنچے۔

توام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ ان کے خاوند ابو سلمہؓ حضور علیہ السلام کے پاس سے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک بات سنی ہے جس سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور پھر وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ کہتا ہے۔ اور ساتھ یہ دعا بھی کرتا ہے اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا اے اللہ! مجھے اس مصیبت سے پناہ دے یا مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اچھا بدلہ عطا فرما۔ اِلَّا فَعَلَ ذٰلِكَ بِہٖ تو اللہ تعالےٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور اس کو اس سے بہتر ہی عطا کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں اس طرح آتا ہے اِذَا اَصَابَتْ اَحَدَکُمْ مُّصِیْبَۃٌ فَلْیَقُلْ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ جب کسی کو کوئی تکلیف آپہنچے تو اسے

چاہیئے کہ وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھے اور ساتھ یہ بھی کہے کہ اے اللہ میں تیرے پاس ہی مصیبت کا بدلہ چاہتا ہوں لہٰذا مجھے اس میں بدلہ عطاء فرما اور پہلے سے بہتر چیز عنایت فرما۔

اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ یہ دعا میں نے بھی یاد کر لی اور اپنے دل میں یہ بات بٹھا لی کہ ایسے حالات میں اللہ تعالےٰ ضرور بہتر بدلہ عطاء فرماتا ہے پھر جب میرے خاوند ابو سلمہؓ فوت ہو گئے تو میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور پھر مذکورہ بالا دعا کی اور ساتھ ہی اپنے دل میں سوچنے لگی کہ حضور علیہ السلام کا فرمان بالکل برحق ہے، اللہ تعالےٰ مجھے ضرور بہتر بدلہ عطاء فرمائیگا مگر مِنْ اَیْنَ لِیْ خَیْرٌ مِّنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ مگر ابو سلمہؓ سے بہتر کون آدمی ہو سکتا ہے حالانکہ وہ تو نہایت شریف، نیک اور عبادت گزار تھے

اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ اللہ کی قدرت ایسے ہوئی کہ فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِیْ جب میں نے اپنی عدّت پوری کر لی یعنی ابو سلمہؓ کی وفات کو چار ماہ دس دن ہو گئے۔ اِسْتَاذَنَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ تو حضور علیہ السلام ہمارے گھر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی کیونکہ قرآن میں یہ مسئلہ سمجھا دیا گیا ہے کہ کسی کے ساتھ کیسا ہی قریبی تعلق ہو اس کے گھر میں داخل ہونے کے لیے سلام کرو اور اجازت طلب کرو۔ اگر اجازت ملے تو اندر جاؤ، ورنہ واپس چلے جاؤ۔

مُسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک صحابیہ کو نکاح کا پیغام دے کر اُمّ سلمہؓ کے پاس بھیجا تھا، اور اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام خود ہی تشریف لے گئے۔

اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے وَ اَنَا اَدْبَغُ تو میں اس وقت کیکر یا دیگر درختوں کے چھلکے سے چمڑا رنگ رہی تھی جب حضور علیہ السلام نے اندر آنے کی اجازت طلب کی وَ اَذِنْتُ لَہٗ تو میں نے اجازت دے دی۔ فَوَضَعْتُ لَہٗ وِسَادَۃَ اَدَمٍ حَشْوُھَا لِیْفٌ اور میں نے آپ کے لیے کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا گدا بچھا دیا فَقَعَدَ عَلَیْھَا حضور علیہ السلام اس

پر بیٹھ گئے فَخَطَبَنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ اور آپ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا کہ میں آپ سے نکاح کر لوں۔ فَلَمَّا فَرَغَ مِنۡ مَقَالَتِہٖ جب آپ علیہ السلام نے اپنی بات ختم کی۔ فَقُلۡتُ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مَابِیۡ اَنۡ تَکُوۡنَ بِکَ الرَّغۡبَۃُ فِیۡھَا تو میں نے عرض کیا، حضورؐ! میں اس بات کی نفی تو نہیں کرتی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو میرے بارے میں رغبت ہو وَلٰکِنِّیۡ اِمۡرَأَۃٌ فِیۡ غَیۡرَۃٌ شَدِیۡدَۃٌ۔ لیکن میں ایک ایسی عورت ہوں جس میں غیرت کا مادہ شدید ہے۔ فَاَخَافُ اَنۡ تَرٰی مِنِّیۡ شَیۡئًا یُعَذِّبُنِیَ اللّٰہُ بِہٖ۔ مجھے خطرہ ہے کہ آپ میرے اندر کوئی ایسی چیز دیکھیں جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو اور اس کی وجہ سے خدا تعالےٰ مجھے سزا دے۔ مسلم شریف میں اَنَا غَیُوۡرٌ کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی میں بڑی غیرت مند ہوں۔ گویا اُمّ سلمہؓ کا مطلب یہ تھا کہ میرا ایک دفعہ نکاح ابو سلمہؓ سے ہو چکا ہے اب نکاح ثانی سے حیا آتی ہے کیونکہ اب بچے بھی ہو گئے ہیں پھر وہ کہنے لگیں دوسری بات یہ ہے۔ وَاَنَا اِمۡرَأَۃٌ قَدۡ دَخَلۡتُ فِی السِّنِّ اور میں ایسی عورت ہوں جس کی عمر بھی کچھ زیادہ ہو گئی ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے وَاَنَا ذَاتُ عِیَالٍ کہ میں عیالدار ہوں یعنی کئی بچوں کی پرورش بھی میرے ذمہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُمّ سلمہؓ کے تینوں خدشات کا جواب اس طرح دیا۔ فَقَالَ اَمَّا مَا ذَکَرۡتِ مِنَ الۡغَیۡرَۃِ۔ تو نے غیرت مندی کی جو بات کی ہے۔ فَسَوۡفَ یُذۡھِبُھَا اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مِنۡکِ تو میں اللہ تعالےٰ سے دعا کروں گا اور وہ تم سے اس چیز کو دور کر دے گا۔ نکاح جیسے جائز اور مسنون کام کے سلسلہ میں غیرت یا حیا کوئی اچھی چیز نہیں ہے وَاَمَّا مَا ذَکَرۡتِ مِنَ السِّنِّ اور تم نے عمر کی زیادتی کی جو بات کی ہے۔ فَقَدۡ اَصَابَنِیۡ مِثۡلُ الَّذِیۡ اَصَابَکِ تو جو چیز تم میں پائی جاتی ہے وہ مجھے بھی پہنچ چکی ہے یعنی میری عمر بھی تو کچھ زیادہ ہو گئی ہے اب جوانی کا زمانہ تو گزر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کے بعد تمام نکاح ترپن سال کی عمر کے بعد کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ متعدد ازواج سے آپ کو کوئی جسمانی راحت یا تعیش تو مقصود

نہیں تھا بلکہ آپ اس سے اسلام کی اشاعت کا کام لینا چاہتے تھے۔ مختلف خاندانوں میں نکاح کرنے کی وجہ سے ان خاندانوں میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ بہرحال فرمایا جہاں تک سن رسیدہ ہونے کی بات ہے تو وہ مجھ میں بھی پائی جاتی ہے پھر فرمایا وَاَمَّا مَاذَکَرْتِ مِنَ الْعِیَالِ اور جو بات تم نے بچوں کے متعلق کہی ہے کہ تمہارے بچے بھی ہیں جن کی کفالت تمہارے ذمے ہے فَاِنَّمَا عِیَالُكِ عِیَالِیْ تو تمہارے بچے میرے بچے ہیں یعنی ان کی دیکھ بھال میں کرونگا۔

جب حضور علیہ السلام نے اُمّ سلمہؓ کے تینوں اعتراضات رفع کر دیئے تو وہ کہتی ہیں فَقَدْ سَلَّمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ میں نے اللہ کے رسول کی بات مان لی فَتَزَوَّجَهَا اور آپ نے نکاح کر لیا۔ پھر اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میری دعا کے نتیجے میں جو میں نے ابو سلمہؓ کے فوت ہونے پر کی تھی کہ مولا کریم! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور بہتر بدل عطا کر۔ فَقَدْ اَبْدَلَنِیَ اللّٰہُ بِاَبِیْ سَلَمَۃَ خَیْرًا مِّنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ تو اللہ نے میری وہ دعا قبول فرمائی اور ابو سلمہؓ کا بہتر بدل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں عطا فرما دیا اور مجھے آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہو گیا۔

تصویر اور رحمت کے فرشتے

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ صُوْرَۃٌ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد چہارم صفحہ ۲۸)

حضرت ابو طلحہؓ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ جب حضرت انسؓ کی والدہ اُمِ سلیمؓ بیوہ ہو گئیں تو حضرت ابو طلحہؓ اُن سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر اس وقت تک ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا حضرت اُمِ سلیمؓ بہت پہلے اسلام لا چکی تھیں جب حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت اُمِ سلیمؓ نے ان کو اسلام لانے کی شرط پیش کی جس پر وہ اسلام لے آئے اور ان کا نکاح ہو گیا۔ پھر ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ بڑے شریف الطبع، مخیر اور مالدار آدمی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ انسانی جسم کے اندر اور باہر جو فرشتے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ تو اپنا کام کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ کی رحمت کے فرشتے تصویر والے گھر اور کتے والے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

راوی زید بن خالدؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو طلحہؓ بیمار ہو گئے اور ہم ان کی بیمار پرسی کیلیے گئے جب ہم آپ کے دروازے پر پہنچے تو وہاں سِتْرٌ فِیْہِ صُوْرَۃٌ پردہ لٹک رہا تھا جس پر کچھ تصویریں نظر آئیں حالانکہ یہی حضرت ابو طلحہؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ پھر جب اس چیز کی وضاحت حضرت ابو طلحہؓ سے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ اِلَّا رَقْمًا یعنی اگر کوئی چھوٹی تصویر ہو جو عام نظر میں نہیں آتی تو اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کسی

جاندار خواہ انسان ہو یا حیوان کی تصویر نمایاں ہوگی تو وہ مکروہ تحریمی میں شمار ہوگی اور اس کے بدلے میں انسان کے ذمے گناہ لازم آئے گا۔

درود شریف کی برکات

عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا طَیِّبُ النَّفْسِ یُرٰی فِیْ وَجْھِہِ الْبِشْرُ...الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد چہارم صفحہ ۲۹)

حضرت ابوطلحہؓ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام صبح کے وقت تشریف لائے اور آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا کہ اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ مِنْ اُمَّتِکَ صَلَاۃً۔ جس شخص نے آپ پر ایک دفعہ درود پڑھا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنٰتٍ اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے دس نیکیاں لکھ دے گا وَمَحَا عَنْہُ عَشْرَ سَیِّاٰتٍ اور اس سے دس برائیاں دور کر دیگا۔ وَرَفَعَ لَہٗ عَشْرَ دَرَجٰتٍ اور اس کے دس درجات بھی بلند فرما دیگا۔

کم و بیش یہی الفاظ نسائی شریف کی حدیث میں بھی آتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اس کی دس خطائیں معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجات بھی بلند کر دیئے جاتے ہیں نسائی ہی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ صَلٰوۃً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا جو امتی خلوص دل کے ساتھ مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس درجات بلند کرتا ہے اور دس گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ درود شریف کی ان برکات کے حصول کے لیے اخلاصِ قلب کی شرط بھی عائد ہے۔

نسائی اور دارمی شریف کی روایات میں اس طرح بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج جبرائیل امین آئے تھے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ اے محمد! کیا یہ بات تمہیں راضی نہیں کردے گی کہ آپکا جو امتی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کرونگا اور جو تم پر ایک سلام بھیجے گا میں اس پر دس سلام بھیجوں گا۔

نماز کی کثرت

عَنْ اَبِیْ فَاطِمَۃَ الْاَزْدِیْ اَوِ الْاَسَدِیْ قَالَ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا فَاطِمَۃَ اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَلْقَانِیْ فَاَکْثِرِ السُّجُوْدَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۸)

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی ابی فاطمہؓ جن کا تعلق قبیلہ اسد کے ساتھ تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو فاطمہؓ! اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو سجدے زیادہ کیا کرو مطلب یہ کہ نماز کثرت سے ادا کیا کرو تاکہ تم زیادہ سے زیادہ سجدے بجا لاسکو۔ آخرت میں حضور علیہ السلام کی قربت حاصل کرنے کے لیے نماز کی کثرت بہترین نسخہ ہے۔ اگلی روایت میں ہے کہ ابو فاطمہؓ نے یہ بات ذی الفواری کے مقام پر اپنے شاگردوں کو بتلائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے کثرتِ سجود کی تلقین فرمائی اور ساتھ یہ بھی فرمایا۔ فَاِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ مُّسْلِمٍ یَّسْجُدُ لِلّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی بِھَا دَرَجَۃً جو مسلمان آدمی اللہ کے لئے سجدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس مسلمان کا درجہ بلند کرتا ہے۔ بہر حال کثرتِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور بلندئ درجات کا ذریعہ ہے۔

قرآن میں غلو کرنے کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ رَاشِدِ الْحِبْرَانِیِّ قَالَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شِبْلٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ وَلَا تَغْلُوْا فِیْہِ .... الخ

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۸ طبع بیروت)

حضرت ابوراشد الحبرانیؒ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن شبلؓ نے کہا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوتے سنا کہ لوگو! قرآن پڑھو مگر اس میں غلو نہ کرو۔ غلو کا معنیٰ حد سے بڑھنا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے لوگوں کی طرح تم بھی حد سے تجاوز نہ کرنا۔ پہلی قوموں نے اپنی کتابوں کے مطالب کو بگاڑ دیا اور اُن میں بعض چیزیں اپنی طرف سے داخل کردیں۔ نیز فرمایا وَلَا تَجْفُوْا۔ زیادتی بھی نہ کرو، کہیں قرآن پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑ بیٹھنا۔ وَلَا تَاْکُلُوْا بِہٖ۔ اور قرآن کے ذریعے مت کھاؤ یعنی اس کو ذریعہ معاش نہ بنالینا۔ وَلَا تَسْتَکْثِرُوْا بِہٖ۔ اور اس قرآن کے ذریعے مال کو زیادہ کرنے کی کوشش نہ کرنا جیسا کہ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرہ - ۴۱) اللہ کی آیتوں کے بدلے میں حقیر قیمت نہ لو۔ یاد رکھو! ساری دنیا اور اس کا سارا ساز و سامان حقیر چیز ہے جبکہ قرآن حکیم تو خدا تعالیٰ کی صفت ہے جسے اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی کے مطابق اپنا عقیدہ اور عمل بناؤ اور درجات حاصل کرو، نہ کہ اس کے ذریعے دنیا کے حقیر مال میں اضافہ کرو۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ اِنَّ التُّجَّارَ ھُمُ الْفُجَّارُ۔ کہ اکثر و بیشتر تاجر لوگ فاجر ہوتے ہیں یعنی وہ اللہ کے نافرمان اور گنہگار ہوتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ تاجر فاجر ہوتے ہیں مگر وہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اور تقوے کی راہ اختیار کرتا ہے۔

لوگوں نے عرض کیا حضور! اَوَلَیْسَ قَدْ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ، کیا اللہ تعالیٰ

نے تجارت کو حلال قرار نہیں دیا ؟ اور یہ لوگ ایک حلال اور جائز کام کرنے کی بنا پر فاجر کیسے ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بلاشبہ تجارت ایک جائز اور حلال پیشہ ہے۔ وَلٰكِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ فَيَكْذِبُوْنَ وَيَحْلِفُوْنَ وَيَأْثَمُوْنَ۔ مگر ان کے فجور کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اکثر و بیشتر بڑے باتونی ہوتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں قسمیں اٹھاتے ہیں اور اس طرح گنہگار بن جاتے ہیں مطلب یہ کہ اکثر لوگ تجارت میں جائز ناجائز کا امتیاز روا نہیں رکھتے تجارت کا پیشہ تو بہت اچھا ہے مگر یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے فاجر بنتے ہیں۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اِنَّ الْفُسَّاقَ هُمْ اَهْلُ النَّارِ بے شک فاسق لوگ دوزخ میں جائیں گے فاسق کا معنیٰ نافرمان ہوتا ہے اور اس کا اطلاق کافر، مشرک منافق، منکر اور گنہگار پر ہوتا ہے۔ پھر لوگوں نے عرض کیا حضور! وَمَنِ الْفُسَّاقُ فاسق کون لوگ ہیں ؟ فرمایا اَلنِّسَآءُ یعنی عورتیں بھی فاسقوں میں داخل ہیں۔ پھر ایک شخص نے عرض کیا۔ اَوَلَسْنَ اُمَّهٰتِنَا وَاَخَوَاتِنَا وَاَزْوَاجِنَا۔ کیا یہ عورتیں ہماری مائیں، بہنیں اور بیویاں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، بلاشبہ یہ ہماری مائیں بہنیں اور بیویاں ہیں۔ وَلٰكِنَّهُنَّ اِذَا اُعْطِيْنَ لَمْ يَشْكُرْنَ وَاِذَا ابْتُلِيْنَ لَمْ يَصْبِرْنَ۔ مگر ان کی خامی یہ ہے کہ جب ان کو کوئی چیز دی جاتی ہے تو وہ شکر ادا نہیں کرتیں اور جب یہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتی ہیں تو صبر کا دامن چھوڑ دیتی ہیں کوئی ذرا سی تکلیف پہنچی۔ نقصان ہو گیا، کسی عزیز کی فوتیدگی ہو گئی تو واویلا، گلا شکوہ اور جزع فزع شروع کر دیتی ہیں، لہٰذا یہ فاسق ہیں، دوسری حدیث میں آتا ہے کہ عورتیں کم ہی جنت میں جائیں گی کیونکہ یہ اکثر نافرمان ہوتی ہیں اور ناشکری کرتی ہیں۔

نماز سے متعلق تین منہیات

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ ثَلَاثٍ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَ عَنِ افْتِرَاشِ السَّبُعِ وَ اَنْ يُّوْطِنَ الرَّجُلُ الْمَقَامَ كَمَا يُوْطِنُ الْبَعِيْرُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۸)

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت عبدالرّحمان بن شبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو تین چیزوں سے منع کرتے ہوتے سنا یعنی (۱) کوّے کے ٹھونگے مارنے سے (۲) درندے کی طرح ہاتھ پھیلانے سے (۳) اونٹ کی طرح کسی شخص کے مسجد میں اپنا مقام مقرر کر لینے سے۔

ان تینوں منہیات کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔ پہلی ممنوعہ چیز کوّے کی طرح ٹھونگے مارنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ نماز نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کرو، رکوع و سجود اور قومہ و قعدہ میں تعدیل اختیار کرو۔ جلدی جلدی کوّے کی طرح ٹھونگے مار کر فارغ نہ ہو جاؤ بلکہ ہر ہر رکن اطمینان اور تسلی کے ساتھ ادا کرو۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ جب سجدہ میں جاؤ تو درندے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ پھیلا دو بلکہ اپنی کہنی اور بازو اٹھا کر رکھو۔ کتّے یا دیگر درندوں کی طرح بازو پھیلا کر بیٹھنا مکروہ ہے۔

حضور علیہ السلام نے تیسری تلقین یہ فرمائی کہ جب کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے تو وہ صف میں اپنے لیے کوئی خاص جگہ مقرر نہ کرے کہ جب آتے وہیں بیٹھے بعض اوقات بعض [illegible]رات اس سلسلہ میں سخت پابندی اختیار کرتے ہیں اگر کوئی ان سے پہلے آکر ان کی جگہ پر بیٹھ جاتے تو وہ اسے اٹھا کر بیٹھنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ مکروہ امر ہے۔ مسجد اللہ کا گھر ہے جو جہاں آکر پہلے بیٹھ گیا وہ جگہ اس کی ہے جب تک

کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ نہیں ہوتا لہٰذا کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر بیٹھنا ناپسندیدہ فعل ہے۔
بعض حضرات زیادہ ثواب حاصل کرنے کی خاطر امام کے بالکل قریب جگہ مقرر کر لیتے ہیں، یا پہلی صف میں لازمی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا صرف دائیں جانب نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مقامات پر زیادہ ثواب ملتا ہے مگر اس شخص کو جو پہلے آ کر بیٹھ گیا۔ اب زیادہ ثواب کی خاطر پہلے آنے والے کو تنگ کرنا تو الٹا وبال کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا حضور علیہ السلام نے اس کو منع فرمایا ہے۔

بعض افرادِ قریش کی غلط کاروائیاں

عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ شَہْرٍ قَالَ سَمِعْتُ کَلِمَتَیْنِ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَۃً وَّمِنَ النَّجَاشِیِّ اُخْرٰی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اُنْظُرُوْا قُرَیْشًا فَخُذُوْا مِنْ قَوْلِہِمْ وَذَرُوْا فِعْلَہُمْ.....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۸/۴۲۹)

حضرت عامر شعبیؒ تابعین میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے حدیث کے استاد ہیں۔ انہوں نے پانچ سو صحابہؓ سے فیض حاصل کیا ہے اور یہ کوفے میں رہتے تھے۔ یہ حضرت عامر بن شہرؓ صحابی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری بات نجاشی بادشاہ حبشہ سے سنی ہے یہ دونوں باتیں دراصل ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اُنْظُرُوْا قُرَیْشًا ذرا ان قریش کے فعل پر نظر رکھنا کیونکہ ان میں بعض اوقات غلط کام بھی کریں گے یعنی آگے چل کر ان کی وجہ سے بہت سے فتنے پیدا ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ھَلَاکُ اُمَّتِیْ عَلٰی یَدَیْ غِلْمَۃٍ سُفَہَاءَ مِنْ قُرَیْشٍ میری اُمّت کی ہلاکت قریش کے چند بیوقوف نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔ ان بیوقوفوں میں یزید، مروان، زیاد، عبیداللہ بن زیاد، عبدالملک ابن مروان اور حجاج بن یوسف وغیرہ شامل ہیں جن کے غلط کاموں کی وجہ سے ساری امت پر مصیبت آئی۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو شہید کرنے والے اسی قسم کے لوگ ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ یہ غلط کام کریں گے مگر تم ان سے تعرض نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اسی لیے یہاں ان بیوقوف نوجوانوں کے متعلق فرمایا۔ فَخُذُوْا مِنْ قَوْلِہِمْ ان کی بات کو سن لو وَذَرُوْا فِعْلَہُمْ مگر اُن کے کاموں کو چھوڑ دو،

ان کی طرف نہ دیکھنا یعنی ان جیسے کام نہ کرنا۔

عامر بن شہرؓ کہتے ہیں کہ میں جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچا تو نجاشی کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کا بیٹا آیا اور انجیل کی ایک آیت پڑھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس آیت کو پہچان لیا اور اس کو سمجھ کر ہنس دیا نجاشی نے پوچھا کہ تم اللہ کی کتاب پر کیوں ہنستے ہو تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم جو چیز حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے، اس میں سے ایک یہ بھی ہے أَنَّ اللَّعْنَةَ تَكُونُ فِي الْأَرْضِ إِذَا كَانَ أُمَرَاءُهَا الصِّبْيَانَ اس وقت زمین پر لوگوں پر لعنت برسے گی جس وقت ان کے امرا بچے ہوں گے کیونکہ وہ حکومت کو صحیح طریقے سے نہیں چلا سکیں گے۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد جب زمام حکومت بچوں کے ہاتھ میں آئی تو سارا اجتماعی نظام درہم برہم ہو گیا اور ساری امت خلفشار کا شکار ہو گئی۔ یہ ایسا سخت خلفشار تھا جس کے بعد اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ تاہم اسلام چونکہ ایک سچا مذہب ہے اللہ کی کتاب برحق ہے لہذا حضور علیہ السلام، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے عمومی اثرات برابر چھ صدیوں تک قائم رہے۔ اس دوران میں اسلام کو ظاہری غلبہ بھی حاصل رہا پھر جب صلاحیت ختم ہو گئی تو امت زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی۔ اور آخر میں انگریزوں نے خلافت کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ نظام خلافت کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں یکجہتی کا تھوڑا بہت اثر موجود تھا مگر اس کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے آپس میں لڑانا شروع کر دیا گیا اور انکی یہ حالت بدستور قائم ہے۔ ان حالات میں اہل اسلام کا اللہ تعالیٰ ہی حافظ ہے۔ جب تک مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوتا یا کوئی زبردست خدائی طاقت مدد کو نہیں پہنچتی مسلمانوں کی اجتماعی شان و شوکت کا حصول بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرنا

عَنْ مُعَاوِيَةَ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنَ النَّاسُ مُجْدِبِيْنَ فَيُنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ رِزْقًا مِّنْ رِزْقِهٖ فَيُصْبِحُوْنَ مُشْرِكِيْنَ فَقِيْلَ لَهٗ وَكَيْفَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۹)

صحابی رسول حضرت معاویہ لیثیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ قحط زدہ ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی طرف سے روزی اتارتا ہے (یعنی بارش نازل فرماتا ہے) تو پھر لوگ شرک کرنے لگتے ہیں۔ عرض کیا گیا حضور! شرک کس طرح کرتے ہیں؟ فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کے طلوع یا غروب ہونے کی وجہ سے بارش ہوئی۔ گویا خدا کی رحمت کو اسی کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ستاروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مہربانی تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے بارش نازل کرتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ ستاروں کا کارنامہ ہے اور یہی شرک ہے، دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جو لوگ بارش کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ مشرک اور ناشکر گزار بن جاتے ہیں اور جو کہتے ہیں مُطِرْنَا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَفَضْلِهٖ۔ کہ ہم پر اللہ کی مہربانی اور اس کے فضل سے بارش برسی وہ مومنوں کا گروہ ہوتا ہے۔

ماں کی خدمت جہاد پر مقدم

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ جَآءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَدْتُّ الْغَزْوَۃَ وَجِئْتُکَ اَسْتَشِیْرُکَ فَقَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ اَلْزِمْھَا فَاِنَّ الْجَنَّۃَ عِنْدَ رِجْلِھَا........ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۹)

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت معاویہ ابن جاہمہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اللہ کے رسول! میں نے جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ کیا اور آپ کے ساتھ مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کی خدمت کو لازم پکڑو کیونکہ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔ آپ نے وضاحت فرمادی کہ جہاد تو فرض کفایہ ہے، جب جماعت کے کچھ لوگ اسے ادا کر رہے ہوں تو ساری جماعت کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے۔ ہاں! اگر والدین کی خدمت کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے تو ماں کی خدمت فرض عین ہو جاتی ہے، گویا ماں کی خدمت جہاد پر مقدم ہے۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالےٰ جنت عطاء فرمائیگا۔ فرمایا اگر والدین کی خدمت کرنے والا دوسرا فرد موجود ہو تو پھر جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں۔

★

جان کنی مقررہ جگہ پر ہوتی ہے

عَنْ اَبِیْ عَزَّۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِذَا اَرَادَ قَبْضَ رُوْحِ عَبْدٍ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَہٗ فِیْہَا اَوْ قَالَ بِہَا حَاجَۃً۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۹)

حضرت ابوعزہؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو جس سرزمین میں روح قبض کرنا چاہتا ہے وہاں اس کے لیے کوئی کام یا ضرورت مقرر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے بندہ خود بخود مقررہ جگہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ متعلقہ آدمی کی کوئی ضرورت اس مقام کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے جس کے حصول کے لیے وہ خود وہاں پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ جس طرح موت کے لیے ایک وقت معین ہے جو لمحہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اسی طرح موت کی جگہ بھی اللہ نے مقرر کر رکھی ہے اور وہ وہیں پر وارد ہوتی ہے۔

ایک نافع دعا

عَنْ شُتَیْرِ بْنِ شَکَلٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ قَلْبِیْ وَ مَنِیِّیْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۹)

حضرت شتیر بن شکل صحابیؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت مجھے کوئی ایسی جامع دعا سکھائیں جس سے میں فائدہ اٹھاؤں تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا سکھائی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ قَلْبِیْ وَ مَنِیِّیْ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنے دل اور اپنے مادہ شہوت کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر بری باتیں کانوں کے ذریعے قلب و ذہن میں اتریں گی تو انسان کے لیے شر ہی پیدا ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آنکھوں کے ساتھ بری چیزیں دیکھے گا تو بھی دل میں برے خیالات آئیں گے۔ اور مادہ شہوت تو ویسے شر کا ذریعہ ہے جس کا غلط استعمال انسان کے لیے سخت وبال ہے لہذا حضور علیہ السلام نے ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ پکڑنے کی دعا سکھلائی۔

اصحابِ صُفّہ کی دعوت

عَنْ یَعِیْشَ ابْنِ طَخْفَۃَ بْنِ قَیْسٍ الْغِفَارِیِّ قَالَ کَانَ اَبِیْ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّۃِ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھِمْ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَنْقَلِبُ بِالرَّجُلِ وَالرَّجُلُ بِالرَّجُلَیْنِ حَتّٰی بَقِیَتْ خَامِسُ خَمْسَۃٍ ...... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۹)

حضرت یعیش بن طخفہ بن قیس غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میرا باپ اصحابِ صُفّہ میں سے تھا۔ اصحابِ صُفّہؓ وہ لوگ تھے۔ جو مفلس اور نادار تھے۔ بعض ان میں مسافر ہوتے تھے جو مسجد نبوی کے برآمدے میں پڑے رہتے تھے۔ حضور علیہ السلام سے علمِ دین سیکھتے تھے اگر کوئی مزدوری مل جاتی تو کر لیتے ورنہ بھیک نہیں مانگتے تھے لہٰذا ان کے کھانے کا بندوبست حضور علیہ السلام کر دیتے تھے۔ اِن لوگوں کی تعداد مختلف اوقات میں پچاس ساٹھ سے لے کر چار پانچ سو تک بھی رہی ہے۔

حضرت طخفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام نے اصحاب صفہ کو کھانا کھلانے کے لیے لوگوں کو ترغیب دلائی۔ چنانچہ کوئی شخص ایک آدمی کو ساتھ لے گیا اور کوئی دو کو تاکہ اسے گھر میں جا کر کھانا کھلاتے۔ تاہم پھر بھی پانچ آدمی بچ گئے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم میرے ساتھ چلو۔ تو راوی بیان کرتا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے گھر آئے۔ آپ علیہ السلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا، عائشہ! ہمیں کھانا کھلاؤ۔ فَجَاءَتْ بِجَشِیْشَۃٍ پس آپ جشیشہ لے آئیں جو ایک قسم کا حلوہ ہوتا ہے جس میں کھجوریں وغیرہ ملائی جاتی ہیں۔ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے وہ کھایا۔ ثُمَّ جَاءَتْ بِحَیْسَۃٍ۔ پھر حضرت عائشہ حیسہ لے آئیں۔ یہ بھی ایک قسم کا حریرہ ہوتا ہے۔ ہم نے وہ بھی کھایا پھر آپ علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ہمیں کوئی مشروب بھی پلاؤ۔ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ پس انہوں نے پانی کا ایک پیالہ پیش کیا جسے ہم نے پیا۔ ثُمَّ جَاءَتْ بِقَدَحٍ صَغِیْرٍ فِیْہِ لَبَنٌ پھر

حضرت عائشہؓ ایک چھوٹا پیالہ لائیں جس میں دودھ تھا۔ وہ بھی ہم نے پیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے ارشاد فرمایا۔ اِنْ شِئْتُمْ بِتُّمْ وَ اِنْ شِئْتُمْ اِنْطَلَقْتُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ۔ اگر تم چاہو تو یہیں آرام کرو یا اگر چاہو تو مسجد میں واپس چلے جاؤ۔ یہ حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ اور شفقت کی بات تھی تو راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا لَا بَلْ نَنْطَلِقُ اِلَی الْمَسْجِدِ۔ کہ ہم تو مسجد میں جا کر آرام کریں گے۔

حضرت طخفہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سحری کا وقت ہوا تو اس وقت میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اِذَا رَجُلٌ یُحَرِّکُنِیْ بِرِجْلِہٖ۔ کہ اچانک کسی شخص نے آکر مجھے پاؤں سے حرکت دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا۔ اِنَّ ھٰذِہٖ ضِجْعَۃٌ یُبْغِضُھَا اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ۔ اس طرح لیٹنے کی وضع کو اللہ تعالےٰ ناپسند فرماتا ہے۔ یعنی پشت اوپر کرکے پیٹ کے بل سونا اللہ کے ہاں مبغوض ہے، ایسے مت لیٹو بلکہ دائیں یا بائیں کروٹ پر یا چت لیٹا کرو۔

چنانچہ انہوں نے اپنی لیٹنے کی وضع کو درست کر لیا حضرت طخفہؓ بیان کرتے ہیں فَنَظَرْتُ فَاِذَا ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ کہ میں نے اچانک نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مجھے نصیحت کرنے والے خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔

اس حدیث مبارکہ میں دو باتوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام نے محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی اور خود بھی اس پر عمل کرکے دکھایا اور دوسری بات یہ ہے کہ سونے کے آداب بھی بیان فرمادیئے کہ سوتے وقت پیٹ کے بل نہیں لیٹنا چاہیئے بلکہ چت یا دائیں بائیں کروٹ پر لیٹنا چاہیئے۔

جمعے کے دن کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ لُبَابَۃَ الْبَدْرِیِّ ابْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَیِّدُ الْاَیَّامِ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ وَاَعْظَمُہَا عِنْدَہٗ وَاَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ یَوْمِ الْفِطْرِ وَ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَفِیْہِ خَمْسُ خِلَالٍ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۰)

ابو لبابہ ابن عبد المنذرؓ بدری صحابی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑا دن ہے اور یہ عید الفطر اور عید الاضحی کے ایام سے بھی بڑا دن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس دن میں پانچ خصائص پائے جاتے ہیں۔

(۱) خَلَقَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ اللہ نے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گویا نسلِ انسانی کا آغاز یوم جمعہ سے ہوا۔

(۲) وَ اَھْبَطَ اللّٰہُ فِیْہِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ۔ اللہ نے اسی دن آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔

(۳) وَفِیْہِ تَوَفَّی اللّٰہُ اٰدَمَ۔ اسی دن میں اللہ نے آدم علیہ السلام کو وفات دی۔

(۴) وَفِیْہِ سَاعَۃٌ لَا یَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَبْدُ فِیْھَا شَیْئًا اِلَّا اٰتَاہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی۔ اس روز ایک ایسی مقبول گھڑی بھی آتی ہے کہ بندہ جو سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ یہ گھڑی امام کے خطبہ کیلئے کھڑے ہونے سے لے کر اختتامِ نماز تک کے وقفہ کے دوران واقع ہوتی ہے۔ تاہم اس میں شرط یہ ہے کہ مانگنے والا کسی حرام اور ناجائز چیز کا سوال نہ کرے۔ جائز چیز اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرما دیگا۔ یا اس کی بجائے اس سے بہتر کوئی چیز عطا کر دے گا یا اس کے بدلے

میں کسی مصیبت کو اٹھا دیگا یا اسے آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیگا۔ بہرحال اس گھڑی میں دعا مقبول ہو گی۔

(۵) وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ اور قیامت بھی جمعہ والے دن ہی برپا ہو گی۔ اس دن ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ آسمان، زمین، پہاڑ، ہوا، سمندر، فرشتے سب چیزیں اللہ سے ڈرتی رہتی ہیں اور ان پر قیامت کا خوف ہر لمحہ طاری رہتا ہے۔

محبّت اور نفرت اللہ کے لیے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْعِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَحِقُّ الْعَبْدُ حَقَّ صَرِیْحِ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَ یُبْغِضَ لِلّٰہِ تَعَالٰی ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۰)

حضرت عمرو ابن جموع رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ کوئی بندہ اس وقت تک کامل الایمان نہیں بنتا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ ہی کے لیے محبّت کرے اور اسی کے لیے نفرت کرے۔ مطلب یہ کہ کسی سے محبّت یا نفرت کسی ذاتی مفاد یا عداوت کی بناء پر نہ ہو بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ ایسا آدمی اگر اپنے کسی بھائی سے محبّت کرتا ہے تو محض اس لیے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ اور اس کا فرمانبردار ہے۔ اور اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اس لیے کہ وہ شخص اللہ کا نافرمان ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص میں محبت اور نفرت والی یہ دو باتیں پائی جائیں تو اللہ فرماتا ہے۔ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَاءَ مِنَ اللّٰہِ۔ کہ ایسا شخص اللہ تعالےٰ کی دوستی کا حقدار بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ وَ اِنَّ اَوْلِیَآءِیْ مِنْ عِبَادِیْ وَ اَحِبَّاءِیْ مِنْ خَلْقِیَ الَّذِیْنَ یُذْکَرُوْنَ بِذِکْرِیْ ۔ اور میرے بندوں میں سے میرے دوست اور پیارے وہ لوگ ہیں کہ میرے ذکر کے ساتھ ان کا ذکر بھی ہوتا ہے اور جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو نیک بندوں کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے والے یعنی اس سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔

ہجرت پر بیعت

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانٍ وَكَانَ لَهُ بَلَاءٌ فِي الْإِسْلَامِ حَسَنٌ وَكَانَ صَدِيقًا لِلْعَبَّاسِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ بِأَبِيهِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَايِعْهُ عَلَى الْهِجْرَةِ فَأَبَى وَقَالَ إِنَّهَا لَا هِجْرَةَ......الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۰)

مہاجرین میں سے عبدالرحمٰن بن صفوانؓ سے روایت ہے اور آپ کی اسلام میں بڑی آزمائش ہوئی تھی اور آپ نے اسلام کی خاطر بہت تکالیف برداشت کی تھیں اور آپ نے جنگوں اور دوسرے مواقع پر بڑے جوہر دکھائے۔ اور یہ حضرت عباسؓ کے دوست بھی تھے جب مکہ فتح ہوا تو یہ شخص اپنے والد کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور! ان کو ہجرت پر بیعت کر لیں آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت باقی نہیں رہی۔ فَانْطَلَقَ إِلَى الْعَبَّاسِ۔ پھر وہ شخص اپنے دوست حضرت عباسؓ کے پاس گیا وَهُوَ فِي السِّقَايَةِ۔ اور وہ اس وقت لوگوں کو پانی پلا رہے تھے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن صفوانؓ نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے کہا یا أَبَا الْفَضْلِ اے ابوالفضل (یہ حضرت عباسؓ کی کنیّت تھی جو ان کے بڑے صاحبزادے فضل کے نام پر تھی) میں اپنے باپ کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تاکہ آپ میرے والد کا ہجرت پر بیعت کر لیں مگر آپ نے انکار کر دیا ہے

قَالَ فَقَامَ الْعَبَّاسُ مَعَهُ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عباسؓ اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اللہ کے رسول! عَرَفْتَ مَا بَيْنِي وَبَيْنَ فُلَانٍ۔ آپ جانتے ہیں کہ میری اور اس شخص کی آپس میں دوستی ہے اور یہ اپنے والد کو لے کر آیا ہے تاکہ آپ اس کی ہجرت پر بیعت لے لیں مگر آپ نے انکار

کر دیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر وہی جواب دیا کہ اب ہجرت نہیں ہے کیونکہ مکہ اب دارالاسلام بن چکا ہے پھر حضرت عباسؓ نے کہا اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ لَتُبَايِعَنَّهُ حضور! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ ضرور اسکی بیعت کریں۔ فَبَسَطَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ پھر حضور علیہ السلام نے اپنا ہاتھ دیا اور فرمایا هَاتِ اَبْرَرْتُ قَسَمَ عَمِّيْ وَلَا هِجْرَةَ میں نے اپنے چچا کو قسم سے بری کر دیا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ اب ہجرت نہیں ہے

مسلم شریف کی حدیث میں قسم کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔ ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ میں آپکو قسم دلاتا ہوں کہ آپ مجھے یہ بات بتلائیں۔ آپ نے فرمایا۔ لَا تُقْسِمْ قسم مت دلاؤ کیونکہ جب ایک شخص دوسرے کو قسم دلا کر کوئی کام کرنے کے لیے کہتا ہے تو پھر اس کام کو پورا کرنا بہتر ہوتا ہے ضروری نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی بات پر آپ نے فرمایا کہ قسم مت دلاؤ کیونکہ یہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے، چاہے تو اس بات کو پورا کر دے بشرطیکہ جائز بات ہو۔ اور اگر نہ بھی کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اس مقام پر بھی حضور علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ اے چچا! میں نے تجھے قسم سے بری کر دیا ہے، بیعت لے لی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا ہجرت پر بیعت لینے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور علیہ السلام کا خانہ کعبہ میں داخلہ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَفْوَانَ قَالَ لَمَّا افْتَتَحَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَّۃَ قُلْتُ لَأَلْبَسَنَّ ثِیَابِیْ وَکَانَ دَارِیْ عَلَی الطَّرِیْقِ فَلَأَنْظُرَنَّ مَا یَصْنَعُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن صفوان رضؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ فتح کیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں راستے میں واقع اپنے گھر سے کپڑے پہن کر جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ حضور علیہ السلام کیا کرتے ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف سے باہر نکل رہے ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابی بھی تھے۔ قَدِ اسْتَلَمُوا الْبَیْتَ انہوں نے بیت اللہ شریف کا استلام کیا (ہاتھ لگایا) اور باب رحمت اور حطیم کے درمیان والے حصے میں قَدْ وَضَعُوْا خُدُوْدَھُمْ عَلَی الْبَیْتِ۔ انہوں نے اپنے چہرے لگا دیئے اور عاجزی کرنے لگے۔ حضور علیہ السلام ان کے درمیان میں تھے۔ پھر میں نے حضرت عمر رضؓ سے دریافت کیا۔ کَیْفَ صَنَعَ رَسُولُ اللّٰہِ حِیْنَ دَخَلَ الْبَیْتَ کہ جب حضور بیت اللہ میں داخل ہوتے تو کیا کیا۔ قَالَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ کہنے لگے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ ایک موقع پر آپ صرف دعا کر کے باہر آ گئے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر موقع مل جائے تو جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھے گا ادا ہو جائے گی۔

وفد عبد القیس کی فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِي الْقَمُوْصِ عَنْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ اَنَّهُمْ سَمِعُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الْمُنْتَخَبِيْنَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ الْوَفْدِ الْمُتَقَبَّلِيْنَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۰۶)

وفد عبد القیس کا مفصل ذکر آگے حدیث میں آرہا ہے۔ حضرت زید بن ابو قموص بیان کرتے ہیں کہ اراکین وفد عبد القیس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے یہ دعا سنی۔ آپ عرض کرتے تھے اے اللہ ہمیں اپنے منتخب بندوں میں سے بنا دے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں روشن ہیں اور جو ایسے وفد میں شامل ہیں جن کی بات خدا کے ہاں قبول ہوتی ہے۔ پھر لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مَا عِبَادُ الْمُنْتَخَبِيْنَ منتخب بندوں سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ عِبَادُ اللّٰهِ الصّٰلِحُوْنَ۔ ان سے اللہ کے نیک بندے مراد ہیں۔ جو ایمان اور اطاعت کی بات کرتے ہیں۔ پھر لوگوں نے عرض کیا، روشن ہاتھ پاؤں اور پیشانیوں والے کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا اَلَّذِيْنَ يَبْيَضُّ مِنْهُمْ مَوَاضِعُ الطَّهُوْرِ۔ وہ لوگ جن کے اعضائے وضو روشن ہوں گے ان پر قیامت والے دن خاص قسم کی چمک ہوگی پھر عرض کیا گیا وَفْدُ الْمُتَقَبَّلُوْنَ۔ کون سا ہے؟ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے نبی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔

زانی کے لیے رجم کی سزا

عَنْ اَبِیْ الْہَیْثَمِ بْنِ نَصْرِ بْنِ دَھْرٍ الْاَسْلَمِیِّ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَتٰی مَاعِزُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَالِکٍ رَجُلٌ مِّنَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاسْتَوٰی عَلٰی نَفْسِہٖ بِالزِّنَا فَاَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِرَجْمِہٖ ..... الخ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۱)

ابوالہیثم بن نصر بن دھر قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز بن خالد بن مالک ہمارے قبیلے کے ایک فرد تھے ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے اقرار کیا کہ ان سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ماعز کے اقرار کرنے پر حضور علیہ السلام بار بار اعراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شاید تم نے یہ کام نہ کیا ہو مگر اس شخص نے چار مرتبہ اس گناہ کا اقرار کیا کہ اس ذلیل سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے حضور علیہ السلام نے اس کی قوم اور قبیلے کے لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ شخص نہ تو نشہ کرتا ہے اور نہ دیوانہ ہے۔ جب آپ نے ہر طرح تسلی کر لی تو فرمایا۔ اس کو لے جا کر سنگسار کر دو۔ یہ شادی شدہ آدمی تھا اور اس کی سزا یہی تھی۔ صحابہ کہتے ہیں کہ فَخَرَجْنَا اِلٰی حَرَّۃِ بَنِیْ نِیَارٍ فَرَجَمْنَاہُ۔ کہ ہم اسے قبیلہ بنی نیار کے قریب پتھریلی اور کھلی زمین میں لے گئے اور اس کو سنگسار کر دیا۔ پھر جب اس پر پتھروں کی بارش ہوئی جَزَعَ جَزْعًا شَدِیْدًا۔ تو وہ سخت چیخا چلایا فَلَمَّا فَرَغْنَا۔ پھر جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! جب اس شخص کو پتھر لگے تو وہ بہت چیخا چلایا اور بھاگنے کی کوشش کی مگر ہم نے اسے رجم کر کے ہی چھوڑا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا ھَلَّا تَرَکْتُمُوْہُ۔ جب وہ بھاگنے کی کوشش

کرتا تھا تو تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ رجم کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود جرم کا اقرار کرتا ہے اور پھر رجم کرنے پر چیختا چلاتا ہے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا ہے۔ ہاں جس شخص کو چار گواہوں کی بناء پر رجم کی سزا دی گئی ہو اس کو چھوڑنے کا حکم نہیں ہے۔

حدی کے اشعار

عَنْ اَبِی الْهَیْثَمِ بْنِ نَصْرِ بْنِ دَهْرٍ الْاَسْلَمِیِّ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ مَسِیْرِهِ اِلَی الْخَیْبَرِ لِعَامِرِ بْنِ الْاَکْوَعِ وَهُوَ عَمُّ سَلَمَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْاَکْوَعِ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۱)

ابو ہیثم بن نصر بن دہر اسلمی روایت بیان کرتے ہیں کہ ان سے ان کے باپ نے بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ خیبر کے سفر کے دوران عامر بن اکوع سے یہ کہتے ہوتے سنا۔ اور یہ شخص سلمۃ بن عمرو بن اکوع کا چچا تھا۔ یہ شخص شاعر بھی تھا۔ دورانِ سفر حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْزِلْ یَا ابْنَ الْاَکْوَعِ اے اکوع کے بیٹے نیچے اترو فَاحْدُ لَنَا مِنْ هُنَیَّاتِكَ اور حدی پڑھو۔ حدی ان اشعار کو کہتے ہیں جو دورانِ سفر پڑھے جاتے ہیں اور جن کو سن کر اہل قافلہ اور خود اونٹ بھی وجد میں آجاتے ہیں۔ البتہ جنگ کے موقع پر پڑھے جانے والے اشعار کو رجز کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے حکم پر عامر بن اکوع نیچے اترے اور حدی کے یہ اشعار پڑھے۔

~ وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَیْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی تو نہ ہم صدقہ وخیرات کر سکتے اور نہ نماز ادا کر پاتے۔

~ اِنَّا اِذَا قَوْمٌ بَغَوْا عَلَیْنَا   وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

ایک قوم نے جب ہمارے خلاف بغاوت اور سرکشی کی اور اگر انہوں نے فتنے کا ارادہ کیا تو ہم نے اس سے انکار کیا۔ اس فتنے سے مراد کفر کا فتنہ ہے۔ جو کافر لوگ ہم پر پیش کرتے تھے کہ اسی پر واپس آجاؤ۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس سے ہم نے انکار

کیا اور اللہ کی واحدنیّت کو ہی تسلیم کیا۔

- فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّقِينَا

اے پروردگار! ہم پر تسلی نازل فرما، اور دشمن سے ہماری ٹکر ہو تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمائش پر عامر ابن اکوع رضؓ نے یہ حدی کے اشعار دوران سفر پڑھے۔

صبح کا بابرکت وقت

عَنْ صَخْرِ الْغَامِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۱)

صحابیٔ رسول حضرت صخر غامدیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا۔ اے اللہ! میری امت کے لوگوں میں ان کے صبح کے اوقات میں برکت عطاء فرما۔ مطلب یہ ہے کہ میری امت کے لوگ جو بھی دینی یا دنیاوی کام صبح کے وقت کریں ان کو بابرکت بنا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ وہ اہم نوعیّت کے امور صبح کے وقت ہی انجام دیتے۔ چنانچہ وَکَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِیَّۃً اَوْ جَیْشًا بَعَثَھُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ۔ حضور علیہ السلام جب بھی کسی قافلے یا لشکر کو روانہ فرماتے تو دن کے پہلے حصّے یعنی صبح کے وقت ہی روانہ فرماتے۔ آگے راوی بیان کرتے ہیں وَکَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا۔ اور صخر غامدیؓ خود تجارت پیشہ آدمی تھا۔ وَکَانَ یَبْعَثُ تِجَارَتَہٗ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ۔ یہ بھی اپنا تجارتی سامان اپنے غلاموں کے ذریعے دن کے پہلے پہر میں ہی بھیجا کرتے تھے گویا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔ فَاَثْرٰی وَکَثُرَ مَالُہٗ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے مال میں اتنی کثرت عطاء فرمائی کہ رکھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی تھی۔

وفد عبد القیس کی تفصیلات

قَالَ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ اَنَّهٗ سَمِعَ بَعْضَ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ وَهُمْ يَقُولُونَ قَدِمْنَا عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ فَرَحُهُمْ بِنَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَی الْقَوْمِ اَوْسَعُوْا لَنَا فَقَعَدْنَا فَرَحَّبَ بِنَا النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَنَا ثُمَّ نَظَرَ اِلَيْنَا فَقَالَ مَنْ سَيِّدُكُمْ وَزَعِيمُكُمْ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۲)

قبیلہ عبد القیس یمن اور اس کے اطراف کے علاقے میں آباد تھا فتح مکہ سے پہلے ۸ھ میں اس قبیلے کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور! ہم پورے سال میں ۔ سے صرف حرمت کے چار مہینوں میں ہی سفر کر سکتے ہیں۔ باقی آٹھ ماہ راستے میں واقع مضر قبیلے کے لوگ لوٹ مار کر لیتے ہیں لہذا ہم ان مہینوں میں سفر نہیں کرتے۔ حرمت کے مہینے رجب۔ ذیلقعد۔ ذی الحج اور محرم ہیں جن کے دوران راستے محفوظ ہوتے ہیں اور ہم سفر کر سکتے ہیں۔

قبیلہ عبد القیس بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی آگے بہت سی شاخیں تھیں۔ اس کی ایک شاخ قبیلہ اثر کا ایک شخص منقذ ابن حیان زمانہ جاہلیت میں تجارت کے لیے مدینہ جایا کرتا تھا۔ یہ وہاں پر اچھی قسم کی کھجوریں اور کپڑا لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ اب کی مرتبہ جب وہ مدینہ پہنچا تو حضور علیہ السلام ہجرت کر کے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس شخص نے اپنا مالِ تجارت مدینہ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا۔ اتفاق سے اُدھر سے حضور علیہ السلام کا گزر ہوا تو آپ نے اس شخص کا نام لے کر اس کو بلایا اور پوچھا کہ تمہارے لوگوں کا کیا حال ہے پھر اس نے سارے حالات عرض کئے اور اسے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ

ایمان لے آیا اور حضور علیہ السلام سے نماز اور دیگر عبادات کا طریقہ سیکھا اور سورۃ فاتحہ اور بعض دیگر سورتیں بھی حفظ کر لیں۔ آپ نے اس کے قبیلے کے سرداروں کے نام ایک خط بھی لکھ کر دیا۔

جب یہ شخص واپس اپنے قبیلے میں پہنچا تو چھپ چھپ کر وضو کرتا اور نماز پڑھتا کیونکہ سارا قبیلہ کافر تھا جن کی طرف سے سخت مخالفت کا خطرہ تھا۔ چند دنوں میں اس کی بیوی نے محسوس کر لیا کہ اس شخص کے حالات بدلے ہوتے ہیں چنانچہ اس سے اس کی حرکات و سکنات کا ذکر اپنے باپ کے سامنے کیا کہ جب سے مدینہ کے سفر سے واپس آیا ہے۔ دن میں کئی مرتبہ ہاتھ منہ دھوتا ہے اور پھر گھر کے اندر جا کر کبھی سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے کبھی رکوع میں جاتا ہے اور کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے۔ وہ شخص قوم کا سردار تھا۔ اس کے پوچھنے پر اس شخص نے اسلام کا کچھ تعارف اس سے کرایا اور بتایا کہ وہ اللہ کے رسول کو مل کر دینِ اسلام قبول کر چکا ہے اور اسی دین کے احکام کے مطابق پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے۔ اس نے حضورؐ کے حالات اس پیرائے میں بیان کئے کہ سردار کا دل بھی اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے حضور علیہ السلام کا لکھا ہوا خط دوسرے سرداران کو بھی دکھایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ جب ایک چھوٹی سی جماعت مسلمان ہو گئی تو ان کے دل میں حضور علیہ السلام کی زیارت کا شوق پیدا ہوا تا کہ بنفسِ نفیس آپ سے مل کر احکامِ دین سیکھیں اور فیض حاصل کریں۔ چنانچہ چودہ آدمیوں کا یہ وفد سفر کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

اپنی حاضری کا واقعہ ان میں سے بعض آدمیوں نے خود بیان کیا ہے کہ جب ہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فَاشْتَدَّ فَرَحُهُمْ بِنَا تو ہماری آمد پر حضور علیہ السلام اور دوسرے اہلِ ایمان کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی آمد پر مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ اس وفد کو خوش آمدید کہا اور ساتھ فرمایا غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى یعنی تم اس حال میں آئے ہو کہ نہ رسوا ہوتے ہو اور نہ پشیمان بلکہ اپنی خوشی اور ارادے سے اسلام قبول کیا ہے۔

بہرحال اہلِ قافلہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم قریب پہنچے اَوْ سَعُوْا لَنَا تو انہوں نے ہمارے لیے مجلس کو کشادہ کر دیا اور ہم بیٹھ گئے۔ حضور علیہ السلام نے ہمارے لیے دعا کی اور پھر ہماری طرف دیکھا اور فرمایا تمہارا سردار کون ہے؟ تو ہم نے منذر ابن عائذ کی طرف اشارہ کیا جو منقذ بن حیان کا خسر تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا سردار یہ اشج ہے۔ جس کا سر زخمی ہے، چنانچہ اس زخمی آدمی کو لوگ عموماً اشج ہی پکارتے تھے۔ قافلے والے کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ یہی ہمارا سردار ہے۔ دراصل وفد کے دیگر ارکان تو مجلس میں پہنچ چکے تھے مگر سردار ابھی پیچھے تھا جس نے سواریوں کو بٹھایا، ان کے گھٹنے باندھے، سامان سنبھالا اور پھر کپڑے بدل کر (دوسری روایت میں ہے غسل کر کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور علیہ السلام اپنا پاؤں مبارک پھیلا کر بیٹھے ہوئے تھے جسے آپ نے سکیڑ لیا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے سردار کو اپنی دائیں طرف بٹھایا اور مرحبا کہا۔ آپ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے بات کی، اس کے شہروں کا حال دریافت کیا اور ایک ایک بستی کا نام لے کر اس کے کوائف دریافت کئے۔ پھر صفا اور مشقر وغیرہ بستیوں کے حالات دریافت کئے۔ سردار کہنے لگا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تو ہماری بستیوں کے نام ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا، ہاں! اِنِّیْ قَدْ وَطِئْتُ بِلَادَکُمْ وَفُسِحَ لِیْ فِیْھَا۔ میں نے یہ بستیاں دیکھی ہوئی ہیں، اپنے پاؤں سے روندی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے گروہ انصار! اَکْرِمُوْا اِخْوَانَکُمْ اپنے ان بھائیوں کی عزت کرو کیونکہ یہ بھی تمہاری طرح اسلام میں داخل ہیں جس طرح تمہاری شکلیں صورتیں آپس میں ملتی ہیں اسی طرح تمہارا طریقہ بھی ملتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی تمہاری طرح بخوشی خاطر اسلام قبول کیا، گویا یہ تمہارے مشابہ ہیں۔ یہ لوگ خود بخود اطاعت کرتے ہوئے آئے ہیں اور ان کو کسی نے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا اور نہ ان کو غصہ دلایا گیا ہے۔ برخلاف اس کے دوسری قوموں نے اس وقت تک اسلام کا انکار کیا جب تک وہ لڑائی نہیں لڑے اور مارے نہیں گئے۔

پھر حضور علیہ السلام نے اِن لوگوں کو انصار کا مہمان ٹھہرایا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو آپ نے مہمانوں سے دریافت کیا۔ کَیْفَ رَأَیْتُمْ کَرَامَۃَ اِخْوَانِکُمْ تم نے اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے حسن سلوک اور عزت افزائی کو کیسا پایا؟ تو ان لوگوں نے عرض کیا حضور! خَیْرُ اِخْوَانٍ۔ ہمارے بھائی بڑے اچھے لوگ ہیں انہوں نے ہمارے لیے اچھے بستروں کا انتظام کیا، ہمارے لیے اچھی خوراک کا بندوبست کیا اور ہم نے رات آرام سے گزاری۔ اس کے علاوہ ہمارے میزبان یُعَلِّمُوْنَ کِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّۃَ نَبِیِّنَا۔ ہمیں اللہ کی کتاب اور نبی کی سنّت کا درس بھی دیتے رہے۔ یہ اہلِ مدینہ کا کتاب اللہ اور سنّت رسول سے محبّت کا ایک نمونہ تھا کہ انہوں نے اپنے مہمانوں کو ان کی تعلیم دینا ضروری سمجھا۔ الغرض! ان کا جواب سن کر حضور علیہ السلام خوش ہو گئے۔

پھر حضور علیہ السلام نے ایک ایک آدمی سے حال پوچھا اور ساتھ یہ بھی دریافت کیا کہ تمہارے پاس توشہ ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اس زمانے میں مختلف قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں جو دورانِ سفر بطور توشہ لے لی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب اپنے اپنے توشے لاؤ۔ اس پر سب ارکانِ وفد نے اپنی اپنی کھجوریں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں۔ سب کھجوریں چمڑے کے دستر خوان پر رکھ دی گئیں۔ حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک یا دو گز لمبی کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے اس چھڑی کے ساتھ کھجور کی مختلف قسموں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کیا ان کھجوروں کو تم تعضوض کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں۔ پھر دوسری قسم کی کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کیا ان کو تم صرفان کہتے ہو؟ انہوں نے پھر اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے تیسری قسم کی کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، کیا ان کو تم برنی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تمہاری کھجوروں میں برنی بہت اچھی قسم کی کھجوریں ہیں اور بڑی مفید ہیں۔ (ان کے علاوہ عجوہ اور رطب ابن طاب قسم کی کھجوریں بھی اچھی اقسام میں شمار ہوتی ہیں) وفد کے اراکین کہتے ہیں کہ جب ہم واپس اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے تو ہم کوشش کرتے تھے کہ برنی کھجوریں زیادہ سے زیادہ لگائیں کیونکہ یہ زیادہ منافع بخش ثابت ہوئیں۔

پھر انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہماری سرزمین کی آب وہوا ثقیل اور ناموافق ہے لہذا ہم صحت کی بحالی کے لیے بسُر وغیرہ قسم کی شراب استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر ہماری رنگت خراب ہو جاتی ہے اور پیٹ بڑھ جاتے ہیں حضور علیہ السلام نے شراب کی کسی بھی قسم کے استعمال سے منع کر دیا اور فرمایا کہ صرف اضطراری حالت میں جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت شراب استعمال کی جا سکتی ہے۔ نیز فرمایا کہ شراب میں استعمال ہونے والے برتن بھی اب تمہارے لیے ممنوع ہیں، ان کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ہم اپنے مشروب (نبیذ وغیرہ) کن برتنوں میں بنائیں تو آپ نے فرمایا کہ اس مقصد کے لیے مشکیزہ یا چھاگل استعمال کرو۔ اس زمانے میں شراب کی کشید کے لیے کدو، لکڑی یا مٹی کے مٹکے استعمال کئے جاتے تھے جن پر سرخ، سیاہ یا سبز رنگ کر دیا جاتا تھا۔ آپ نے یہ تمام برتن آئندہ استعمال کے لیے ممنوع قرار دے دیئے۔ اس کے ایک یا دو سال گزرنے کے بعد آپ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے لہذا تم مٹکے وغیرہ استعمال کر سکتے ہو۔ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا (مگر نشہ آور چیز استعمال نہ کرو۔ کیونکہ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔ فرمایا ایسی چیز استعمال کر کے لوگ بدمست ہو جاتے ہیں، دنگا فساد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو زخمی کر دیتے ہیں۔

اس وفد میں ایک ایسا شخص بھی شامل تھا کہ ایک موقع پر اس نے شراب پی رکھی تھی۔ شراب کے نشے میں مدہوش وہ اپنے چچازاد بھائی کی طرف تلوار لے کر بڑھا اور اس کی پنڈلی زخمی کر دی۔ چنانچہ وہ شخص اپنی زخمی پنڈل کو چھپاتا پھرتا تھا۔ وفد کا سردار اشج بھی اپنے زخم کو چھپاتا پھرتا تھا کیونکہ اس کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا۔ کسی مجلس میں شراب کے دور چل رہے تھے۔ وہاں پر اس نے ایسے اشعار کہے جن میں کسی دوسرے آدمی کی عورت کا ذکر کیا گیا۔ وہ شخص ناراض ہو گیا اور تلوار لے کر آگے بڑھا اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ اس زخم کی وجہ سے اس کا نام اشج پڑ گیا تھا یعنی زخمی سر والا۔ بہرحال وفد عبدالقیس کی پوری کیفیت اس حدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔

کھانا اور آرام بعد از نماز جمعہ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ الرِّجَالَ تَقِيْلُ وَ تَتَغَدّٰى يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۳)

حضرت سہل بن سعدؓ کا تعلق قبیلہ بنی ساعدہ کے ساتھ تھا اسی لیے آپ کو ساعدی کہا جاتا ہے۔ آپ انصار مدینہ میں سے ہیں، جب اسلام قبول کیا تو اس وقت نوعمر تھے۔ اسماء الرجال والے حضرات لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اس دنیا سے رخصتی کے وقت حضرت سہلؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہ مدینہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والی صحابی ہیں جو ۸۸ھ یا ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

یہ سہل ابن ساعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا لوگ جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کے بعد آرام کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ دوسری روایت میں اس طرح آتا ہے کہ پہلے جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے اور اس کے بعد دوپہر کا آرام کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے۔

ابتدائی دور میں کپڑوں کی کمی

عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَیْتُ الرِّجَالَ عَاقِدِیْ اُزُرِہِمْ فِیْ اَعْنَاقِہِمْ اَمْثَالَ الصِّبْیَانِ مِنْ ضِیْقِ الْاُزُرِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ قَائِلٌ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوْسَکُنَّ حَتّٰی یَرْفَعَ الرِّجَالُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۳)

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی معاشی حالت بہت کمزور تھی۔ چنانچہ میں نے خود دیکھا کہ نماز کے لیے مرد اپنی چادر یا تہ بند کو گلے میں باندھ لیتے تھے تاکہ جسم کا نچلہ حصّہ بھی چھپ جائے اور اوپر والا بھی۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ بچوں کی طرح کپڑے کی ایک طرف کا کنارہ گلے میں دوسری طرف باندھ لیتے تھے پھر کسی کہنے والے نے کہا کہ اے عورتوں کے گروہ تم اپنے سروں کو سجدے سے اس وقت تک نہ اٹھایا کرو جب تک کہ مرد پورے طریقے سے اٹھ نہ جائیں۔

اُس دور میں آگے مردوں کی صفیں ہوتی تھیں اور پیچھے عورتوں کی۔ عورتوں کو خبردار کردیا گیا کہ تم جلدی سے نہ اٹھ بیٹھا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مرد کی برہنگی پر نظر پڑ جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں آتا ہے کہ عتبہ بن غزوانؓ نے بیان کیا کہ ایک جہاد کے موقع پر ہمیں ایک گری پڑی چادر مل گئی جسے میں نے دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک خود لے لیا اور دوسرا سعدؓ کو دے دیا، گویا اتنی تنگی کا زمانہ تھا۔ پھر بعد میں اللہ نے بڑی فراوانی عطاء فرمائی مسلمانوں کے پاس مال و دولت اور حکومتیں آئیں اور تعیش کے سامان پیدا ہو گئے۔

اللہ کے راستے میں تھوڑا سا وقت لگانا

عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَۃٌ اَوْ رَوْحَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۳۳)

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں صبح یا پچھلے پہر کا تھوڑا سا وقت دینا اور اس کے سارے سازوسامان سے بہتر ہے۔ حضور علیہ السلام کا دوسری حدیث میں یہ ارشاد بھی ہے۔ مَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ جنت میں ایک کوڑا بھر جگہ بھی دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ یہاں کتنی اور کیسی بھی نعمتیں ہوں ایک دن ختم ہو جائیں گی مگر جنت کی نعمتیں ابدی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے راستے میں لگایا جانے والا تھوڑا سا وقت بھی خواہ وہ جہاد کے لیے ہو، تبلیغ کے لیے یا تعلیم وتعلم کے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے کیونکہ اس کا اجر جنت ہے جس کی نعمتیں ابدی اور لافانی ہیں۔

سات چیزوں سے پناہ کی دُعا

عَنْ اَبِیْ الْیُسْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْعُوْبِھٰؤُلَاءِ الْکَلِمِ السَّبْعِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَرَمِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ۔ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۸)

حضرت ابوالیسرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سات کلمات کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے۔

۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَرَمِ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ انتہائی بڑھاپے سے پناہ مانگتا ہوں۔ انسان عمر کے اس حصے میں پہنچ جاتے۔ جہاں چلنا پھرنا، کھانا پینا مشکل ہو جاتے حتیٰ کہ عقل بھی ٹھکانے نہ رہے تو ایسی حالت سے پناہ مانگی گئی ہے۔

۲۔ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ۔ اے اللہ! میں کسی اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہونے سے بھی تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ بعض اوقات انسان کسی پہاڑ کی چوٹی سے یا بلند عمارت سے گر پڑتا ہے یا کسی دیگر حادثے کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی ہے۔

۳۔ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْغَمِّ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ غم سے پناہ چاہتا ہوں۔ کوئی غم لاحق ہو جاتے تو دل و دماغ پر نہایت منفی اثرات پڑتے ہیں اور انسان سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے اَلْھَمُّ نِصْفُ الْھَرَمِ۔ غم آدھا بڑھاپا ہوتا ہے۔ غم دنیا کا بھی ہوتا ہے اور دین کا بھی۔ حضور علیہ السلام کو دین کا غم تھا۔ جس سے آپ پناہ مانگتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے سورۃ ہود اَلشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔ اور سورۃ نبا نے بوڑھا کر دیا ہے۔ آپ کو دین کی اس قدر فکر تھی۔

۴۔ وَالْغَرَقِ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پانی میں ڈوب کر مرنے سے پناہ چاہتا ہوں۔ یہ بھی حادثاتی موت ہے جس کو پسند نہیں کیا گیا۔ وَالْحَرَقِ اور آگ میں جل کر مرنے سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ بھی بڑی تکلیف دہ موت ہے۔ اللہ اس سے بچائے۔

۵۔ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِىَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ اور اس چیز سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ موت کے وقت مجھے شیطان مخبوط الحواس بنا دے اور انسان ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔ شیطان ہر انسان پر اس کے آخری وقت تک حملہ آور ہوتا رہتا ہے تاکہ اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈال لے، لہذا حضور علیہ السلام نے اس چیز سے بھی پناہ مانگی ہے۔

۶۔ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِىْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ اس بات سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ میں تیرے راستے میں پشت پھرنے والا ہوں۔ جب دشمن سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو رہا ہو تو اس وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا سخت معیوب ہے کہ اس سے دوسروں کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ قرآن میں اللہ کا فرمان ہے کہ جہاد میں اگر دشمنوں کی تعداد اہل ایمان سے دگنی بھی ہو تو انہیں ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے اور بزدلی نہیں دکھانی چاہیئے۔ ہاں اگر دشمن کی تعداد دگنے سے بھی زیادہ ہو تو پھر مقابلے میں نہ آنے کی اجازت ہے۔

۷۔ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا۔ اے اللہ! کسی کیڑے مکوڑے کے کاٹ کر مرنے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔ بعض اوقات سانپ، بچھو وغیرہ کاٹ جاتے ہیں جس سے موت واقع ہو جاتی ہے اس قسم کی اچانک موت سے پہلے انسان نہ کوئی کلام کر سکتا ہے، نہ وصیت کر سکتا ہے، علاج معالجہ بھی بہت مشکل ہوتا ہے لہذا ایسی موت سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔

تنگدست کو مہلت دینے کا اجر

قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوالْیُسْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْہُ اَظَلَّہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ ظِلِّہٖ قَالَ مُعَاوِیَۃُ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۲۷)

ابوالیسرؓ آپ علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ ان کا نام کعب بن عمروؓ ہے حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ تاہم یہاں پر آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تنگدست کو مہلت دی یعنی اس نے قرض لیا ہے مگر تاریخ مقررہ تک تنگدستی کی وجہ سے ادا کرنے سے قاصر ہے تو اگر قرض خواہ نے اس کو مزید مہلت دے دی یا اس کا قرض معاف ہی کر دیا تو فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسا سایہ نصیب فرمائے گا کہ جس دن خدا کی رحمت کے سوا کسی قسم کا سایہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ کسی مقروض کو مہلت دے دینا یا قرض معاف کر دینا اس قدر اجر و ثواب کا کام ہے۔

قبولیت نماز کے درجات

عَنْ اَبِی الْیُسْرِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْکُمْ مَنْ یُّصَلِّی الصَّلٰوۃَ کَامِلَۃً وَمِنْکُمْ مَنْ یُّصَلِّی النِّصْفَ وَالثُّلُثَ وَالرُّبُعَ حَتّٰی بَلَغَ الْعُشْرَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۴۲۷)

ابو الیسرؓ صحابیٔ رسول بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض وہ ہیں جو کامل یعنی پوری نماز پڑھتے تھے اور ان کو پوری نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نماز کی تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ فرمایا بعض لوگ نصف نماز پڑھتے ہیں بعض تیسرا حصہ، بعض چوتھا حصہ اور بعض دسواں حصہ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ مکمل یکسوئی اور احتیاط کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں پورا اجر نہیں ملتا بلکہ اس کا کچھ حصہ ہی انہیں حاصل ہو پاتا ہے اگرچہ لوگ رکعتیں تو پوری ہی ادا کرتے ہیں مگر کوتاہیوں کی وجہ سے بھی نماز کے ثواب میں کمی آجاتی ہے۔

انصار مدینہ کے اشرف خاندان

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ دُوْرِ الْاَنْصَارِ بَنُوْ نَجَّارٍ ثُمَّ بَنُوْ عَبْدِ الْاَشْہَلِ ثُمَّ بَنُوْ الْحٰرِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُوْ سَاعِدَۃَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۶)

حضرت ابو اسید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کے گھرانوں میں سے بہترین گھرانہ بنو نجار کا ہے۔ یہ حضرت انسؓ کا خاندان ہے اور حضرت ابو طلحہؓ اور ام سلیمؓ وغیرہ کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بنو نجاری کے ایک گھرانہ میں اترے تھے۔

تو فرمایا کہ بہترین گھرانہ بنو نجار ہے پھر بنو عبد الاشہل کا، پھر بنو حارث اور اس کے بعد بنو ساعدہ کا۔ اسی طرح گویا بنی ساعدہ کو آپ نے چوتھے نمبر پر رکھا۔ اس پر اس خاندان کے ایک سردار سعد بن عبادہؓ کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں تو بہت پیچھے رکھا ہے۔ مگر صحابہ کرام نے ان کو سمجھایا کہ اگر آپ کو چوتھے نمبر پر رکھا ہے تو یہ کوئی ایسی تحقیر والی بات نہیں کیونکہ بے شمار خاندان ایسے بھی ہیں جن پر تمہیں فضیلت دی گئی ہے۔

انصار مدینہ میں سے ایمان لانے والے سب کے سب اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں پیش پیش تھے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ (التوبہ - ۱۰۰)

اس مقام پر اللہ تعالٰے نے مہاجرین اور انصار کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ان کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہر حال اس آیت میں اللہ نے پہلا نمبر مہاجرین کا اور پھر انصار کا رکھا ہے۔ یہ مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے لوگ تھے

جوکہ ساری امّت کے لیے بطور نمونہ ہیں۔ قیامت تک آنے والے لوگ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منزلِ مراد کو پہنچیں گے۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے انصار کے ان چار خاندانوں کی زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

زیتون کے درخت کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ اَوْ اُسَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُوْا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِالزَّیْتِ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ. (مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۷)

ابو اسید یا اسید بن ثابتؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ بڑا بابرکت درخت ہے۔ زیتون کے درخت کی لکڑی، پتے، چھلکا، پھل، تیل غرضیکہ اس کی ہر چیز قابل استعمال ہے یہ لمبی عمر پانے والا درخت ہے۔ اللہ کے ستر نبیوں نے اس درخت کے حق میں دعا کی تو اللہ نے اس کو بابرکت بنایا۔ اس درخت کا تیل اکثر ملکوں میں روغن کے طور پر کھانا پکانے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا پھل خوراک کے طور پر بھی مفید ہے۔ اور اگر اس کی مالش کی جائے تو پٹھوں کی خرابی یا بلغمی بیماریوں (فالج وغیرہ) میں نہایت سودمند ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بہت سی بیماریوں میں شفا عطا فرماتا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دعائیں

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدٍ وَ اَبَا اُسَیْدٍ یَقُوْلَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۷)

• راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو حمیدؓ اور ابو اسیدؓ دونوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو یہ دعا کرنی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ پھر جب کوئی شخص مسجد سے باہر نکلے تو اس کو کہنا چاہیئے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ فضل میں رزقِ حلال بھی آجاتا ہے اور نیکی کا ہر کام بھی۔ بہرحال یہ مختصر اور آسان دعائیں ہیں جو ہر مسلمان کو یاد ہونی چاہئیں اور ان کو برمحل پڑھنا بھی چاہیئے۔

والدین کی وفات کے بعد اُن کے ساتھ نیکی

عَنْ اُسَیْدٍ وَکَانَ بَدْرِیًّا وَکَانَ مَوْلَاھُمْ قَالَ قَالَ اَبُوْ اُسَیْدٍ بَیْنَمَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ بَقِیَ عَلَیَّ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ بَعْدَ مَوْتِہِمَا اَبَرُّھُمَا بِہٖ قَالَ نَعَمْ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۸)

ابو اسیدؓ بدری صحابی ہیں جنہیں بعد میں آنے والوں پر بڑی فضیلت حاصل ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ انصار میں سے ایک شخص نے آکر عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے والدین کی وفات کے بعد کیا میرے لیے ان کے ساتھ نیکی کرنے کا کوئی ذریعہ باقی ہے؟ اگر میرے والدین زندہ ہوتے تو میں ضروری ان کے ساتھ احسان کرتا مگر اب میں ان کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں؟ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں چار باتیں ایسی ہیں کہ والدین کے مرنے کے بعد بھی انکو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْہِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا۔ ان کے لیے دعا کرنا اور ان کے لیے بخشش طلب کرنا بشرطیکہ وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوتے ہوں یعنی کافر، مُشرک نہ ہوں۔ کفار و مشرکین کے لیے بخشش کی دعا کرنا حرام ہے۔ مومن ہوں اگرچہ گنہگار بھی ہوں تو ان کے لیے بخشش طلب کرنا جائز ہے۔ ہم ہر نماز میں کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ پروردگار! مجھے بھی معاف فرما دے اور میرے والدین کو بھی۔ یہی ان کے ساتھ احسان ہے جو ان کے مرنے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ والدین کے لیے دن رات میں کسی وقت نماز میں یا نماز کے بعد استغفار کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ فرمایا والدین کے ساتھ دوسرا احسان یہ ہے وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا اگر زندگی

میں انہوں نے کسی کے ساتھ عہد کیا ہے جسے وہ پورا نہیں کر سکے تو اس عہد و پیمان کا پورا کرنا بھی ان کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

۳۔ تیسرا احسان یہ ہے وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا۔ کہ ان کے دوستوں کی عزت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ یہ بھی والدین کے ساتھ احسان ہے۔

۴۔ وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا رَحِمَ لَكَ اِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا ایسے لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا جن کے ساتھ صلہ رحمی والدین کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کی خدمت کرنا ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور ان کی دلجوئی کرنا اسی ضمن میں آتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا فَهُوَ الَّذِيْ بَقِيَ عَلَيْكَ مِنْ بِرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا والدین کی موت کے بعد یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے ان کے ساتھ نیکی کی جا سکتی ہے۔

ترمذی شریف کی صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ کچھ دوسرے آدمی بھی ہم سفر تھے۔ راستے میں ایک دیہاتی آدمی ملا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گدھے سے نیچے اتر کر اس دیہاتی سے ملاقی ہوتے اور پھر اپنا گدھا اور اپنی پگڑی اس دیہاتی آدمی کے سپرد کر دی۔ آپ کے ہمراہی کہنے لگے کہ یہ دیہاتی لوگ تو تھوڑی سی چیز پر بھی راضی ہو جاتے ہیں مگر آپ نے اپنی سواری بھی دے دی اور اپنی پگڑی بھی اس کے سر پر باندھ دی۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس دیہاتی کے ساتھ میں نے یہ احسان اس لیے کیا ہے کہ یہ میرے والد کا دوست ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ والدین کے دوستوں کے ساتھ احسان کرنا خود والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے مترادف ہے۔

پیغامِ نکاح کی عدمِ قبولیت پر اظہارِ افسوس

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ عَنْ اَبِیْہِ وَعَبَّاسِ بْنِ سَہْلٍ قَالَا مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابٌ لَہٗ فَخَرَجْنَا مَعَہٗ حَتّٰی انْطَلَقْنَا اِلٰی حَائِطٍ یُقَالُ لَہُ الشَّوْطُ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۸)

حضرت ابو سیدؓ اور عباس بن سہلؓ دونوں صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام ہمارے محلے میں ہمارے پاس سے گزرے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابی بھی تھے۔ ہم بھی اپنے گھروں سے نکل کر ساتھ ہو لئے۔ یہاں تک کہ الشوط نامی باغ میں پہنچ گئے۔ اس سے آگے دو چھوٹے باغات تھے فَجَلَسْنَا بَیْنَہُمَا ہم ان دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیں وہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ ایک خاتون امیہ بنت نعمان بن شراحیل کے مکان میں تشریف لے گئے۔ دراصل آپ نے وہاں عربوں کے ایک فوت شدہ سردار کی بیٹی کو طلب کیا تھا اور وہ اسی مکان میں رکی ہوئی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور اس جونیہ خاتون سے فرمایا۔ ھَبِیْ لِیْ نَفْسَکِ۔ اپنے آپ کو میرے لیے ہبہ کردو۔ گویا آپ نے اسے نکاح کا پیغام دیا۔ مگر وہ سردار زادی کہنے لگی۔ وَھَلْ تَھَبُ الْمَلِکَۃُ نَفْسَھَا لِلسُّوْقَۃِ کیا کوئی ملکہ اپنے آپ کو کسی رعیّت کے لوگوں کے لیے وقف کر سکتی ہے؟ اس نے اپنے آپ کو شہزادی شمار کیا اور حضور علیہ السلام کو رعیت کے لوگوں میں گنا۔ اور ساتھ یہ بھی کہنے لگی۔ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ۔ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں آپ نے فرمایا۔ لَقَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ۔ تو نے بڑی ذات کے ساتھ پناہ طلب کی ہے لہٰذا آپ نے اس سے مزید کوئی بات نہ کی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضور علیہ السلام ہمارے پاس واپس تشریف لائے اور فرمایا اے ابو سیدؓ اَکْسُھَا رَازِقِیَّتَیْنِ وَاَلْحِقْھَا بِاَھْلِھَا

اس عورت کو دو کپڑے دیکر اس کو اپنے گھر والوں کے پاس واپس بھیج دو۔

اس خاتون نے اپنی نادانی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی پیش کش کا انکار کر دیا۔ پھر لوگوں نے اسے بتایا کہ اگر تو اس عظیم شخصیت کا پیغام قبول کر لیتی تو تمہیں بہت زیادہ عزت حاصل ہوتی کیونکہ تو امہات المومنین میں شامل ہو جاتی پھر جب اس کو سمجھ آئی تو کہنے لگی کہ میں کس قدر بدبخت ہوں جس نے اتنی بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ پھر وہ عمر بھر اس پر افسوس ہی کرتی رہی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں اتنی بڑی عزت سے محروم رہ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آجاتی تو دنیا وآخرت کی بہتری حاصل ہو جاتی۔

ابو اسید کے گھر میں نبیذ نوش فرمانا

قَالَ سَمِعْتُ سَهْلاً يَقُولُ اَتَى اَبُو اُسَيْدِ السَّاعِدِيُّ فَدَعَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُرْسِهِ فَكَانَتْ اِمْرَاتُهُ خَادِمَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ الْعَرُوسُ قَالَ تَدْرُوْنَ مَا سَقَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْقَعَتْ تَمَرَاتٍ مِّنَ اللَّيْلَةِ فِي تَوْرٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۸)

یہ پچھلی حدیث کے واقعہ کا ہی تسلسل ہے جب حضور علیہ السلام واپس پلٹے تو اسی صحابی حضرت ابو اسیدؓ بدری کے گھر میں تشریف لاتے۔ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی آپکی بیوی نے حضور علیہ السلام کی آمد پر کوئی جھجک محسوس نہ کی بلکہ آپ علیہ السلام کو نبیذ پلایا یہ ایک شربت ہوتا ہے جس کی تیاری کے لیے رات کو کھجوریں پانی میں بھگو دی جاتی ہیں اور صبح تک وہ پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہو جاتا ہے۔ یہ مشروب آپ کو ویسے بھی مرغوب تھا اور یہ ابو اسیدؓ کی دلہن نے آپ کو پیش کیا۔

غنیمت یا صدقہ کے مال میں سے خیانت کا وبال

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ اُنَیْسٍ حَدَّثَہٗ اَنَّھُمْ تَذَاکَرُوْا ھُوَ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَوْمًا الصَّدَقَۃَ فَقَالَ عُمَرُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ ذَکَرَ غُلُوْلَ الصَّدَقَۃِ اَنَّہٗ مَنْ غَلَّ فِیْھَا بَعِیْرًا اَوْ شَاۃً اُتِیَ بِہٖ یَحْمِلُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اُنَیْسٍ بَلٰی۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۸)

حضرت عبداللہ بن انیس رضؓ حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لاٹھی عطاء فرمائی تھی اور ساتھ فرمایا تھا کہ یہ لاٹھی قیامت والے دن میرے اور تمہارے درمیان بطور نشانی ہوگی۔ چنانچہ آپکی وفات پر وہ لاٹھی آپ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دی گئی تھی۔ تو یہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ان کا اور حضرت عمر بن خطاب رضؓ کا آپس میں تذکرہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ کیا تم نے حضور علیہ السلام سے یہ بات نہیں سنی تھی کہ جو شخص غنیمت یا صدقہ کے مال میں سے ایک اونٹ یا بکری چوری کریگا وہ قیامت والے دن اس مال کو اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ دوسری روایات میں کپڑوں کا ذکر بھی ملتا ہے کہ کپڑوں کی گٹھری اٹھا کر لائے گا۔ ایک صحیح روایت میں زمین کا ذکر بھی ملتا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کی ایک بالشت بھر زمین بھی غصب کی ہوگی تو ساتوں زمینوں تک وہ اسے کھینچتا ہوا آئیگا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہاں میں نے یہ بات حضور علیہ السلام سے سنی ہے۔ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آپ نے سب لوگوں سے صاف طور پر فرمایا کہ یاد رکھو! ایسا نہ ہو کہ کل تم اس خیانت یا چوری کے مال کو اپنی گردنوں پر اٹھا کر لاؤ اور پھر مجھ سے کہو کہ حضور! ہماری سفارش کردیں میں نے تم کو آگاہ کر دیا ہے

اگر قیامت والے دن پکڑے گئے تو پھر کوئی بات نہیں بنے گی۔ میں نے تم پر واضح کر دیا ہے۔ اب خیانت یا چوری کرنے والا آدمی اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہو گا اور اسے ذلت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

جو کرے وہی بھرے

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْنِيْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ لَا يَجْنِيْ وَالِدٌ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۸، ۴۹۹)

حضرت سلیمان بن عمرو بن الاحوصؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کوئی شخص نقصان نہیں کرتا مگر اپنی ہی جان پر۔ نہ کوئی باپ اپنی اولاد پر نقصان کرتا ہے اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ پر۔ اس حدیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام نے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ اُس زمانہ میں اگر باپ جرم کا ارتکاب کرتا تو اس کے بدلے میں بیٹے کو پکڑ لیتے، یا بیٹا غلطی کرتا تو باپ پکڑا جاتا۔ فرمایا یہ قانون غلط ہے کسی شخص کو دوسرے کے جرم کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا۔ ملت ابراہیمیہ کا اصول بھی ہے۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (النجم ۔ ۳۸) کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا جس نے غلطی کی، خیانت کی، قتل کیا، وہی پکڑا جائے گا۔

قیامت ردی لوگوں پر برپا ہوگی

عَنْ عَلْبَاءِ السُّلَمِيِّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی حُثَالَۃِ النَّاسِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۹)

قبیلہ سلم سے تعلق رکھنے والے صحابی رسول حضرت علباء سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں برپا ہوگی مگر ردی قسم کے لوگوں پر۔ اچھے لوگ سب ختم ہو جائیں گے۔ اور پیچھے ردی لوگ رہ جائیں گے تو اس وقت قیامت کا بگل بجے گا۔ حثالہ دراصل اناج کے باقی ماندہ ردّی حصّے کو کہتے ہیں۔ جب خوشوں سے اناج کو الگ کر لیا جاتے تو باقی بھوسہ رہ جاتا ہے، یہ حثالہ ہے۔ یا اگر اچھی اچھی کھجوریں اٹھالی جائیں تو باقی ردی مال رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت برپا ہوگی جب اللہ اللہ کرنے والے نیک لوگ ختم ہو جائیں گے اور باقی نافرمان قسم کے لوگ رہ جائیں گے۔

اثمد سرمہ کی فضیلت

عَنْ نُعْمَانَ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ هَوْذَةَ الْاَنْصَارِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِالْاِثْمِدِ الْمُرَوَّحِ عِنْدَ النَّوْمِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۹۹/۵۰۰)

حضرت نعمان بن معبد بن ہوذہ انصاریؓ اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں۔ اصل میں ہوزہ کے دادا حضور کے صحابی ہیں۔ فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ سوتے وقت اثمد سرمہ آنکھوں میں لگا لیا کرو۔ ہر قسم کا سرمہ لگانا مستحب ہے۔ البتہ آپ نے اثمد سرمہ کی زیادہ تعریف فرمائی ہے۔ دوسری جگہ ہے عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ تم پر اثمد سرمہ لازم ہے کہ یہ آنکھوں کی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور آنکھوں کو راحت پہنچاتا ہے۔ اثمد اصفہانی سرمہ ہے جس میں سیاہی کم ہوتی ہے اور یہ سرخی مائل ہوتا ہے۔

دو دینی بھائیوں کی وفات

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِيِّ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ قُتِلَ اَحَدُهُمَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ فَصَلَّوْا عَلَيْهِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۵۰۰)

حضرت عبید ابن خالدؓ حضور علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا جن کی کفالت ایک دوسرے کے ذمہ لازم قرار دے دی تھی۔ بہرحال آپ نے دو آدمیوں کے درمیان مؤاخات قائم کی۔ پھر اتفاق کی بات کہ ان میں سے ایک آدمی جہاد میں شہید ہو گیا، اور کچھ عرصہ بعد دوسرا بھائی بھی فوت ہو گیا۔ پھر جب اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا تم لوگوں نے اس کی نماز جنازہ میں کیا دعا کی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے یوں دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْهُ بِصَاحِبِهٖ۔ اے اللہ! اس شخص کی لغزشیں معاف کر دے اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کو اپنے ساتھی کے ساتھ ملا دے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے لوگوں سے کہا فَاَيْنَ صَلَاتُهٗ بَعْدَ صَلَاتِهٖ پہلے بھائی کی شہادت کے بعد دوسرے بھائی نے جو نمازیں ادا کی ہیں وہ کدھر جائیں گی۔ وَ اَيْنَ صِيَامُهٗ اَوْ عَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ۔ اس کے روزے اور دیگر اعمال کہاں گئے جو اس نے اپنے بھائی کی شہادت کے بعد انجام دیئے، مطلب یہ تھا کہ دوسرے بھائی نے پہلے بھائی کے بعد جو نیک اعمال انجام دیئے

ہیں ان کی وجہ سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ اتنا بلند مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فرق ہے دوسرے بھائی کو اتنا ہی اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو گیا ہے مگر تم نے اسے پہلے بھائی کے ساتھ ہی ملانے کی دعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو اس کے زائد اعمال کی وجہ سے بہت بلند مرتبہ عطا فرما دیا ہے۔

حضور علیہ السلام کی رفاقت طلبی

عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ مَوْلَى بَنِي مَخْزُومٍ عَنْ خَادِمٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَقُولُ لِلْخَادِمِ أَلَكَ حَاجَةٌ قَالَ حَتّٰى كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَاجَتِي قَالَ وَمَا حَاجَتُكَ قَالَ حَاجَتِي أَنْ تَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۵۰۰)

اس حدیث کے راوی حضور علیہ السلام کے خادم تھے جو کہ سفر و حضر میں آپؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ دوسری روایات میں ان کا نام ربیعہ ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم اس روایت میں تردد ہے کہ یہ خادم مرد تھا یا عورت۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد تھا۔ بہرحال ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے اس خادم سے پوچھا اَلَكَ حَاجَةٌ۔ کیا تمہارا کوئی کام ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت! کام تو ہے۔ فرمایا کیا کام ہے؟ عرض کیا کہ کام یہ ہے کہ آپ قیامت والے دن میری سفارش کریں اور مجھے آپ کی معیت نصیب ہو جائے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو بہت بڑا کام ہے تو خادم کہنے لگا کہ حضور! آپ نے خود ہی تو پیش کش کی ہے، لہٰذا میری خواہش تو یہی ہے کہ آپ میری سفارش کریں اور قیامت والے دن مجھے آپ کی معیت نصیب ہو جائے۔ اس کے علاوہ میں کسی اور چیز کا طالب نہیں ہوں، مجھے دنیا کی دولت، اقتدار یا بادشاہی نہیں چاہیئے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اچھا اگر تمہاری یہی خواہش ہے۔ فَاَعِنِّي بِنَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ تو پھر زیادہ سجدے کر کے میری مدد کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں میری سفارش اور رفاقت کی طلب ہے تو نفلی نماز زیادہ پڑھا کرو۔ میں بھی دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری یہ مراد پوری کرے۔ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے صرف مجھے سفارش ہی نہیں کرنا بلکہ تمہیں بھی کچھ کرنا ہوگا۔

سلام کا صحیح طریقہ

عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَۃَ الْھُجَیْمِیْ قَالَ اِسْمٰعِیْلُ مَرَّۃً عَنْ اَبِیْ تَمِیْمَۃَ الْھُجَیْمِیْ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ قَوْمِہٖ قَالَ لَقِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ وَعَلَیْہِ اِزَارٌ مِّنْ قُطْنٍ مُّنْتَثِرُ الْحَاشِیَۃِ فَقُلْتُ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۴۸۲)

ابی تمیمہ اپنی برادری کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں جن کا نام یہاں تو ذکر نہیں کیا گیا مگر دوسری حدیث میں جابر بن سلیمؓ آتا ہے ان کا بیان ہے کہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے ایک راستے میں ملا۔ اس وقت حضور علیہ السلام نے سوتی تہ بند پہن رکھا تھا جس کے کنارے بکھرے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السّلام کو عَلَیْکَ السَّلَامُ کہہ کر سلام کیا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا سلام کا یہ طریقہ درست نہیں ہے کیونکہ اِنَّ عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ الْمَوْتٰی۔ عرب کے لوگ اس طریقے سے سلام تو مردوں کو کرتے ہیں یعنی عَلَیْکَ پہلے اور سلام بعد میں۔ صحیح اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ہے۔ آپ نے یہ ذریا تین دفعہ فرمایا۔ قرآن پاک میں ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے سلام اور اس کے جواب کا ذکر موجود ہے۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ (الذّٰریٰت - ۲۵)

جب فرشتے ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا اور ابراہیم علیہ السّلام نے بھی سلام کا جواب سلام سے دیا۔ جب جنتی جنت کے

دروازے پر پہنچیں گے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ۔ (الزمر-۷۳) تم پر سلامتی ہو تم بہت اچھے رہے۔ بہرحال فرمایا کہ زندوں کے لیے سلام علیکم اور مردوں کے لیے علیکم السلام کہنا چاہیئے۔

تہ بند باندھنے کا طریقہ

راوی بیان کرتا ہے سَاَلْتُ عَنِ الْاِزَارِ پھر میں نے حضور علیہ السلام سے تہ بند باندھنے کا طریقہ دریافت کیا تو آپؐ نے پنڈلی کی طرف اشارہ کیا اور کہا ھٰھُنَا۔ کہ یہاں تک باندھو۔ اگر تم اس سے نیچے اتارنا چاہو تو اتار لو اگر مزید نیچے کرنا چاہو تو بھی کر لو، تاہم اسے ہر حالت میں فَوْقَ الْکَعْبَیْنِ۔ یعنی ٹخنوں سے اوپر رہنا چاہیئے۔ شلوار، پتلون، چادر کوئی چیز بھی بہر صورت ٹخنوں سے نیچے نہیں لٹکنا چاہیئے کیونکہ یہ غرور و نخوت کی علامت ہے اور اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (لقمان ۔ ۱۸) اللہ تعالےٰ کسی اترانے والے اور خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ کو مغرور اور شیخی بگھارنے والا آدمی قطعی پسند نہیں۔ دوسری روایت میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے کہ جو شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکائیگا وہ جہنم میں جائیگا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ انسان نماز کی حالت میں ہو یا نماز سے باہر عام حالت میں تہ بند کا ٹخنوں سے نیچے اتارنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی شخص کے پیٹ کی ہیئت اس قسم کی ہے کہ پاجامہ خواہ مخواہ نیچے ڈھلک جاتا ہے تو یہ غیر اختیار شمار ہو گا۔

جب حضرت عثمانؓ حدیبیہ کے موقع پر حضور علیہ السلام کے نمائندہ کی حیثیت سے مکہ گئے تو آپ کا تہ بند پنڈلی تک بندھا ہوا تھا۔ آپ کی برادری کے لوگ کہنے لگے کہ تہ بند باندھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ ہم تو اسے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں اور بعض اوقات پیچھے گھسٹتا چلا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میرے صاحب یعنی حضور علیہ السلام نے مجھے تہ بند باندھنے کا یہی طریقہ سکھایا ہے۔ تم جو کچھ بھی کہو میں اپنا طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

نیکی کے متعلق سوال

راوی کہتا ہے سَأَلْتُهٗ عَنِ الْمَعْرُوْفِ پھر میں نے حضور علیہ السلام سے نیکی کے متعلق دریافت کیا کہ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا۔ نیکی کی کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تم پانی کا ڈول نکالنے کے لیے کسی کو رسی بھی عاریتاً دو۔ اللہ تعالیٰ اس نیکی کا بھی اجر دے گا اور اس کا پتہ اس وقت چلے گا جب قیامت والے دن نیکیوں کا وزن ہو گا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ نہ کسی نیکی کو حقیر جانو اور نہ برائی کو۔ جس طرح ایک ایک لکڑی مل کر انبار بن جاتا ہے اسی طرح چھوٹی چھوٹی نیکیاں مل کر آخر میں پہاڑ بن جائیں گی۔ فرمایا کسی شخص کو جوتی کا تسمہ دے دینا بھی معمولی نیکی نہ سمجھو۔ اگر راستہ میں پڑا ہوا کوئی کیل، کانٹا یا اینٹ پتھر وغیرہ ہٹا دیا ہے تاکہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ بھی بہت بڑی نیکی ہے اگرچہ بظاہر معمولی سی ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔ سب سے بلند شاخ کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ۔ یعنی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے اور اس کی ادنیٰ شاخ یہ ہے کہ کسی موذی چیز کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ پھر فرمایا اس کو بھی حقیر نہ سمجھو کہ اپنے کسی بھائی سے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملو یعنی چیں بجبیں نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اتنی بات کو بھی حقیر نہ جانو وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ فَتُسَلِّمَ عَلَيْهِ۔ کہ جب اپنے کسی بھائی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ سلام میں پہل کرنا زیادہ اجر و ثواب کا مستحق بنتا ہے۔ پھر فرمایا یہ بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ وَلَوْ اَنْ تُؤْنِسَ الْوَحْشَانَ فِی الْاَرْضِ کہ زمین میں کسی وحشی جانور کو انس دلاؤ یا وحشت میں مبتلا کسی انسان کو تسلی دو۔ پھر فرمایا وَاِنْ سَبَّكَ رَجُلٌ بِشَیْءٍ يَعْلَمُهٗ فِيْكَ اور اگر کوئی شخص تجھے ایسی چیز کے ساتھ برا بھلا کہے جو تم میں پائی جاتی ہے اور تم خود بھی اپنے اس عیب کو جانتے ہو تو اس شخص کو اس قسم کی برائی سے مت یاد کرو جس کو تم جانتے ہو کہ اس میں یہ برائی موجود ہے۔

ضائع شدہ حمل کی دیت

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ زُبَيْرٍ أَنَّهُ حَدَّثَ عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ اسْتَشَارَهُمْ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ لَهُ الْمُغِيرَةُ قَضَى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغُرَّةِ .... الخ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴۴)

حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کا تعلق قبیلہ ثقیف کے ساتھ تھا، یہ قریش میں سے نہیں تھے۔ آپ صلح حدیبیہ کے قریبی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بڑے ذہین اور سیاستدان تھے امیر معاویہؓ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر بھی رہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کی کوتاہی یا غلطی کی وجہ سے کسی عورت کا حمل ضائع ہو جائے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ حضور علیہ السلام کے زمانے میں اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے۔ مثلاً ایک عورت نے اپنی حاملہ سوکن کو ڈنڈا مارا جس سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ مر گیا۔ ایک دوسرے واقعہ کے مطابق دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو بانس مارا جس کے صدمہ سے اس کے پیٹ والا بچہ مر گیا تو ایسے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بھی یہ معمول تھا کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہوتا وہ لوگوں سے دریافت کر لیتے تاکہ اگر کسی کو اس معاملہ میں علم ہے تو وہ بتا دے۔ اسی طرح ایک عورت نے نانی کی وراثت کے متعلق حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ اس کی نواسی فوت ہو گئی، اس کی وراثت میں سے اسے حصہ دلایا جائے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی صراحت نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی حضور علیہ السلام کا کوئی فرمان مجھے معلوم ہے ہاں! میں لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی حل پیش کر سکوں گا۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مسئلہ کا حل نکل آیا۔

حضرت عمرؓ کو حمل ضائع ہو جانے کی دیت کے متعلق بھی علم نہیں تھا لہذا آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہے تو بتلائے۔ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے ایسے معاملہ میں غرہ یعنی دیت کا فیصلہ کیا تھا۔ غرہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنی دیت (خونبہا) ہے جس کی مقدار پانچ سو درہم نقد یا ایک لونڈی یا ایک غلام یا ایک گھوڑا یا ایک خچر ہوتی ہے ان میں سے کسی بھی آسان صورت کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأْتِ بِاَحَدٍ يَعْلَمُ ذٰلِكَ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو کوئی دوسرا آدمی پیش کرو جو اس مسئلہ کو جانتا ہو۔ چنانچہ فَشَهِدَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِهٖ۔ محمد بن مسلمہؓ نے آکر گواہی دی کہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا۔ جب بات پکی ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ دے دیا کہ جس عورت کے پیٹ کا بچہ ضائع ہوا ہے، اس کو غرہ ادا کیا جائے گا۔ جس کی مقدار بیان کی جا چکی ہے۔

حضور علیہ السلام نے جب اپنے زمانہ مبارک میں غرہ کا فیصلہ کیا تو متعلقہ دیہاتی آدمی کہنے لگا۔ اَتُغَرِّمُنِيْ مَنْ لَّا اَكَلَ وَلَا شَرِبَ حضور! آپ مجھ سے ایسے بچے کا خونبہا طلب کر رہے ہیں جس نے ابھی کھایا نہ پیا یعنی بچہ تو پیدائش سے پہلے پیٹ میں ہی مر گیا ہے تو اس کی دیت کا کیا معنیٰ۔ (مسند احمد ج ۴ صفحہ ۲۴۵)

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا حکم سنا رہا ہوں اور تم کاہنوں کی طرح سجع بولتے ہو یعنی فضول تک بندی کرتے ہو۔ یہ شریعت کا حکم ہے لہذا غرہ دینا پڑے گا۔ جاہلیت کے زمانے میں ایسے بچے کی دیت نہیں دی جاتی تھی جو قبل از ولادت مر جاتا تھا۔

بہر حال حضرت عمرؓ نے اپنے معمول کے مطابق فیصلہ کرنے سے پہلے معاملہ کی اچھی طرح تحقیق کر لی کہ کیا واقعی حضور علیہ السلام نے غرہ کا حکم دیا ہے؟ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو آپ

نے فرمایا کہ اس پر کوئی گواہی لاؤ ورنہ میں تمہیں درے ماروں گا۔ چنانچہ وہ انصار کے پاس گئے اور ان میں سے گواہ مل گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنے میں سے سب سے چھوٹے کو بھیجتے ہیں جو گواہی دیگا کہ ہم نے حضور علیہ السلام سے اس طرح کی بات سنی ہے۔ چنانچہ یہ گواہی حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے آکر دی تو حضرت عمر فاروق رضؓ کی تسلی ہو گئی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے کی اجازت

عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْتُ لَہٗ اِمْرَاَۃً اَخْطُبُھَا فَقَالَ اِذْھَبْ فَانْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّہٗ اَجْدَرُ اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور! میں انصار کے خاندان میں ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ پہلے اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے درمیان موافقت بڑھے گی نکاح کے لیے عورت کو دیکھ لینا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اس سے فریقین کو ایک دوسرے کا چہرہ مہرہ اور قدوقامت وغیرہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور انہیں نکاح کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے چنانچہ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا مقصود ہو اس کو دیکھنا شرعاً روا ہے۔

بہر حال مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں انصار کے خاندان میں گیا اور اس عورت کے والدین سے کہا کہ میں تمہاری بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا روا ہے۔ والدین کو یہ بات ناگوار گزری کہ وہ اپنی بچی کو دکھائیں۔ ان کے ہاں یہ رواج نہیں ہوگا اس لیے انہوں نے اس کو معیوب خیال کیا۔ جب متعلقہ عورت نے یہ بات سنی اور اپنے والدین کی ناگواری کو محسوس کیا تو پردے کے پیچھے سے کہنے لگی۔ اِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَکَ اَنْ تَنْظُرَ فَانْظُرْ۔ اگر اللہ کے رسول نے تمہیں دیکھنے کی اجازت دی ہے تو تم دیکھ سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صحابی بیان کرتا ہے فَنَظَرْتُ اِلَیْھَا۔ میں نے اس عورت کو ایک نظر دیکھ لیا۔ مجھے پسند آئی فَتَزَوَّجْتُھَا

اور میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

فَذَكَرَ مِنْ حُمُوا فَقَتِهَا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق ہمارے درمیان موافقت ہی رہی۔ کوئی گڑبڑ واقع نہیں ہوئی۔

نماز کے بعد ایک خصوصی دعا

عَنْ وَرَّادٍ مَولٰی الْمُغِیْرَۃَ بْنِ شُعْبَۃَ اَنَّ الْمُغِیْرَۃَ بْنَ شُعْبَۃَ کَتَبَ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ کَتَبَ ذٰلِكَ الْكِتَابَ لَهٗ وَرَّادٌ اِنِّیْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حِیْنَ یُسَلِّمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴۵)

وراد مغیرہ بن شعبہؓ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے سیکرٹری تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی طرف خط لکھا کہ مجھے وہ دعا لکھ کر بھیجو جو حضور علیہ السلام پڑھا کرتے تھے۔ وراد بیان کرتے ہیں کہ اس خط کے جواب میں حضرت مغیرہؓ نے مجھ سے یہ دعا لکھوا کر امیر معاویہؓ کو بھیجی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ بادشاہی بھی اسی کے لیے ہے اور تعریف بھی اسی کے لیے ہے۔ اے اللہ! تو جو چیز عطا کرتا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو روک دے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے۔ اور کسی بخت والے کا بخت یا کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے سامنے کچھ کارگر نہیں جب تک کہ تیری مشیت شامل حال نہ ہو۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے منبر پر خطبہ دیا تو لوگوں کو بتلایا کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے میرے سوال کے جواب میں یہ دعا لکھ کر بھیجی ہے۔

متوفی پر نوحہ کی ممانعت

عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیْعَۃَ الْاَسَدِیِّ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُقَالُ لَہٗ قَرَظَۃُ بْنُ کَعْبٍ فَنِیْحَ عَلَیْہِ فَخَرَجَ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَۃَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ النَّوْحِ فِی الْاِسْلَامِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۴۵)

ایک بزرگ واقعہ کا پس منظر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ علی ابن ربیعہ رض کہتے ہیں کہ کوفے میں انصار کا قرظہ بن کعب نامی ایک شخص فوت ہو گیا تو اس پر نوحہ کیا گیا یعنی بلند آواز سے رویا پیٹا گیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رض وہاں موجود تھے ان کو پتہ چلا تو وہ اپنے ٹھکانے سے باہر آئے اور مسجد میں منبر پر بیٹھ کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر کہنے لگے کہ کیا بات ہے کہ یہ لوگ اسلام میں نوحہ کرتے ہیں۔ اسلام میں تو ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔

دوران خطبہ نیکی کا حکم

عَنْ قَیْسِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَخْطُبُ وَ اَنَا فِی الشَّمْسِ فَاَمَرَنِیْ فَحَوَّلْتُ اِلَی الظِّلِّ۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ ص ۲۶۲)

(ابی حازم انصار مدینہ میں سے جلیل القدر بزرگ ہیں۔ آپ تابعین میں سے ہیں جب کہ آپ کے والد صحابی تھے۔ یہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نے مجھے دیکھا جب کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اتفاق سے میں اس وقت دھوپ میں کھڑا خطبہ سن رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ سائے میں ہو جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ دھوپ کی شدت سے بچ کر سائے میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ خطبہ سنو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطیب دوران خطبہ امر بالمعروف کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کے اس حکم سے آپ کی شفقت کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی کی تکلیف کا احساس کیا۔

غزوہ خندق کے بعد جارحانہ جنگ کی پیشین گوئی

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاَحْزَابِ قَالَ اَلْاٰنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۲)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی سلیمان بن صردؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے غزوہ احزاب والے دن فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو آئندہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔

غزوہ احزاب ۶ھ میں واقع ہوا جبکہ کفار اور ان کے حلیف قبائل نے پندرہ سے پچیس ہزار تک کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا۔ اس وقت مدینہ شہر میں قابل جنگ آدمیوں کی تعداد چار پانچ ہزار تھی، باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ جب حضور علیہ السلام کو دشمن کی یلغار کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کے مشورے سے مدینہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا تاکہ کفار شہر میں داخل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ چھ دن کے قلیل عرصہ میں مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھودی گئی اور چوتھی طرف خود صحابہ کرامؓ دشمن کے مقابلہ کیلئے سینہ سپر ہو گئے۔ کفار نے مدینہ طیبہ کے ارد گرد ڈیرے ڈال دیئے اور خندق کو عبور کرنے کی سر توڑ کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک رات اللہ نے ایک طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیموں کو تہ و بالا کر دیا، ان کی سواریاں بدک گئیں اور وہ سخت خوفزدہ ہو گئے۔ ادھر اللہ نے فرشتوں کا لشکر نازل کیا۔ جنہوں نے اہل ایمان کے دلوں میں تقویت پیدا کی اور کافروں کے دلوں میں اعصاب شکن خیالات ڈال دیئے جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ محاصرہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ دشمن نے راتوں رات محاصرہ اٹھا لیا اور واپس بھاگ گئے۔ اس طرح اہل مدینہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کفار میں حملہ کرنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ اس

سے پہلے یہ بدر، احد اور بعض دیگر مقامات پر حملہ آور ہو چکے ہیں مگر آج کے بعد
اِنْشَاءَ اللہ ہم ہی ان پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں مدافعانہ جنگ لڑنی پڑے گی۔ آپ کی
یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ کفار نے پھر حملہ نہیں کیا بلکہ اس واقعہ کے دو اڑھائی سال بعد مسلمانوں
نے مکہ پر حملہ کر کے اسے دارالکفر سے دارالاسلام میں تبدیل کر دیا۔

مرضِ شکم سے مرنے والا عذاب سے مامون ہو گا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ سُلَیْمٰنَ بْنِ صُرَدٍ وَخَالِدِ بْنِ عَرْفَطَۃَ وَھُمَا یُرِیْدَانِ اَنْ یَّتْبَعَا جَنَازَۃَ مَبْطُوْنٍ فَقَالَ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ اَلَمْ یَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّقْتُلُہٗ بَطْنُہٗ فَلَنْ یُّعَذَّبَ فِیْ قَبْرِہٖ فَقَالَ بَلٰی۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۲)

حضرت عبداللہ بن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں سلیمان بن صردؓ اور خالد بن عرفطہ کے پاس بیٹھا تھا اور وہ ایک شخص کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے جا رہے تھے جو پیٹ کی بیماری سے مر گیا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا دو اشخاص میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، کیا تم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ نہیں سنا کہ جو ایماندار آدمی پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر مر جاتے اسے قبر کا عذاب نہیں ہو گا؟ دوسرے صحابی نے کہا کہ کیوں نہیں؟ میں نے ایسا ہی آپ سے سنا ہے۔

پیٹ کی بیماری ہیضہ یا سنگرہنی ہوتی ہے۔ اس بیماری سے مرنے والوں کو حضور علیہ السلام نے درجہ دوم کے شہداء میں شمار کیا ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی آپ نے اسی قسم کی پیشن گوئی فرمائی۔ مثلاً زچگی کے دوران فوت ہو جانے والی عورت اسی مد میں آتی ہے۔ جو کسی حادثے کا شکار ہو جاتے، مکان یا درخت کے نیچے آ جاتے کسی اونچے مینار یا پہاڑ سے گر پڑے، کسی سڑک کے حادثہ میں جاں بحق ہو جاتے، پانی میں ڈوب کر مر جاتے، آگ میں جل کر فوت ہو جاتے، تو ایسے لوگوں کو شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایسے حوادثات میں مرنے والا مومن ہو، کافر کو یہ رعایت حاصل نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہیضہ اور طاعون کے

متعلق فرمایا کہ اس بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے والے کو بھی ایک قسم کی شہادت نصیب ہوگی۔ بہرحال اس مقام پر فرمایا کہ جو شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر فوت ہوگا وہ عذابِ قبر سے مامون ہوگا۔

فتنہ حصولِ اقتدار

عَنْ ثَرْوَانَ بْنِ سَلْمَانَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ فَمَرَّ عَلَيْنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَقُلْنَا لَهُ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْفِتْنَةِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۳)

ایک بزرگ حضرت ثروان بن سلمانؒ کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ ہمارے پاس سے گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے فتنوں کے بارے میں جو کچھ حضور علیہ السلام سے سنا ہے وہ ہمارے سامنے بیان کریں۔ تو حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ يَكُوْنُ بَعْدِيْ قَوْمًا يَأْخُذُوْنَ الْمُلْكَ يَقْتُلُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ کہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو ایک دوسرے کو قتل کر کے بادشاہی پر قبضہ کریں گے۔

امتِ محمدیہ میں بے شمار فتنے واقع ہوتے ہیں اور آئندہ بھی پیش آتے رہیں گے حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک میں اللہ نے بہت سے فتنوں کی اطلاع اپنے نبی کو بذریعہ وحی دی اور ان میں سے بعض کا ذکر آپ نے لوگوں کے سامنے بھی کیا۔ چنانچہ حدیث کی ہر کتاب میں باب الفتن کے نام سے باب باندھا گیا ہے جس میں حضور علیہ السلام کے بیان کردہ فتنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس فتنے کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے یہ بہت بڑا فتنہ ہے جو ہمیشہ امت میں چلتا رہے گا۔ مسلمانوں میں انتقالِ اقتدار شاذ و نادر ہی امن و امان کے ساتھ ہوا ہے۔ ورنہ پوری تاریخِ اسلامی میں یہی نظر آتا ہے کہ ایک کو قتل کر کے ہی دوسرا شخص اقتدار پر قابض ہوا۔ یہ اجتماعی فتنہ ہے۔ جب حضرت عثمانؓ کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا تو آپ نے خود مزاحمت کی اور نہ فوج کو حکم دیا۔ شرپسند عناصر حضرت عثمانؓ کو

خلافت سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا مگر مسلمانوں میں مزید قتل و غارتگری کی اجازت نہ دی۔ اس واقعہ کے بعد آج تک تلوار چل رہی ہے کوئی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اموی اور عباسی خاندانوں کی رقابت صدیوں پر محیط ہے۔ موجودہ دور میں افغانستان، بنگلہ دیش اور خود پاکستان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح ایک دوسرے کو گرانے کے لیے سازشیں کی جاتی ہیں اور قتل و خون سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کا ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کر کے عنانِ حکومت سنبھالیں گے۔

دو بدبخت ترین آدمی

عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ کُنْتُ اَنَا وَعَلِیٌّ رَفِیْقَیْنِ فِیْ غَزْوَۃِ ذَاتِ الْعُشَیْرَۃِ فَلَمَّا نَزَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَقَامَ بِهَا رَاَیْنَا نَاسًا مِنْ بَنِیْ مُدْلِجٍ یَعْمَلُوْنَ فِیْ عَیْنٍ لَّهُمْ فِیْ نَخْلٍ .... الخ (مسند احمد طبع بیروت صہ ۲۶۳ ج ۴)

اس حدیث کے راوی بھی حضرت عمار بن یاسرؓ ہیں۔ آپ غلام زادے تھے، پھر انہیں آزاد کر دیا گیا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور بڑی تکالیف اٹھائیں ان کی والدہ حضرت سمیہؓ اور والد یاسرؓ دونوں شہید ہو گئے تھے کفار نے ان کو سخت اذیتیں دے دے کر شہید کیا تھا۔ حضرت عمارؓ ۳۷ھ میں واقعہ صفین میں جاں بحق ہوئے اس وقت ان کی عمر پچانوے برس تھی۔ حضور علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اَلطَّیِّبُ الْمُطَیَّبُ ہیں یعنی یہ بذاتہٖ بھی پاک ہیں اور اللہ تعالےٰ نے بھی ان کو پاک کر دیا ہے۔

حضرت عمارؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت علیؓ غزوہ ذَاتِ الْعُشَیْرَۃِ میں ساتھی تھے یعنی دونوں اکٹھے شریک تھے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں چھوٹے موٹے پچاس غزوات ہوتے جن میں سے ستائیس بڑی جنگیں تھیں اور ان میں سے انیس یا بیس جنگوں میں حضور علیہ السلام بنفس نفیس بھی شریک ہوتے۔ انہی غزوات میں ایک چھوٹا سا غزوہ ذات العشیرۃ بھی ہے جس میں راوی اور حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کے ہم رکاب تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مقام پر حضور علیہ السلام نے قیام کیا۔ وہاں کے کچھ لوگ بنی مدلج کے چشمہ پر کام کر رہے تھے اور کھیتوں اور درختوں کو سیراب کر رہے تھے یا کھالیں درست کر رہے تھے بہر حال وہ وہاں پر کام کر رہے تھے۔ حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھ سے کہا کہ اے ابو الیقظان آؤ ہم بھی دیکھیں کہ یہ لوگ کیسے کام کرتے ہیں ہم ان کے قریب چلے گئے۔ اور کچھ دیر تک ان لوگوں کو کام کرتے دیکھتے رہے۔ ثُمَّ غَشِیَنَا

النوم کہتے ہیں کہ پھر ہم پر نیند طاری ہو گئی وہاں پر کھجوروں کے درخت تھے ہم ان کے سائے میں لیٹ گئے کہتے ہیں کہ پھر ہم کو نہیں بیدار کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ آپ نے ہمیں اپنے پاؤں مبارک سے ہلا کر بیدار کیا اور کہا اب اٹھو، کافی سو چکے۔ اس وقت ہمارے جسموں پر لیٹنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو یا اباتراب کہہ کر خطاب کیا یعنی اے مٹی والے اٹھو۔ حضرت علیؓ کی اس کنیت میں ایک تو یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا جس کی بنا پر حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کے لیے یہ کنیت اختیار کی۔ حضرت علیؓ اپنی اہلیہ سے ناراض ہو کر مسجد میں آکر ننگے جسم لیٹ گئے جس کی وجہ سے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔ حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے تو حضرت علیؓ کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ۔ اے مٹی والے اٹھو۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضور علیہ السلام نے ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَلَا اُحَدِّثُکُمَا بِاَشْقَی النَّاسِ رَجُلَیْنِ۔ کیا میں تم دونوں کو نہ بتاؤں کہ لوگوں میں دو بدبخت ترین آدمی کون ہیں۔ ہم نے عرض کیا حضور ضرور بتلائیں آپ نے فرمایا ایک بدبخت آدمی گزر چکا ہے اور وہ ہے۔ اُحَیْمِرُ ثَمُوْدَ الَّذِیْ عَقَرَ النَّاقَۃَ جو قوم ثمود کا سرخ رنگ کا آدمی تھا۔ یہ ٹھنگنے قد کا بدمعاش آدمی تھا جس نے نو آدمیوں کا جتھہ بنا کر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس طرح اللہ کی اس نشانی کو ختم کیا۔ یہ بدبخت ترین آدمی تھا جس کے اس فعل کے تین دن کے بعد اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ساری کی ساری قوم تباہ ہو گئی۔ اللہ نے ان میں سے کسی ایک کافر کو بھی معاف نہ کیا۔

فرمایا دوسرا بدبخت ترین آدمی وہ ہو گا۔ اَلَّذِیْ یَضْرِبُکَ یَا عَلِیُّ عَلٰی ھٰذِہٖ یَعْنِیْ قَرْنَکَ حَتّٰی تَبُلَّ مِنْہُ ھٰذِہٖ یَعْنِیْ لِحْیَتَہٗ جو اے علیؓ! تیرے سر پر تلوار چلائیگا اور تیری داڑھی کو خون سے رنگین کر دیگا۔ حضرت علیؓ کا قاتل عبدالرحمن ابن ملجم مرادی خارجی تھا جس نے حضرت علیؓ کے سر پر وار کر کے

آپ کے سر کو زخمی اور داڑھی کو رنگین بنا دیا تھا۔ پھر اسی حملے کے نتیجے میں تین دن کے بعد آپ شہید ہو گئے۔ یہ شخص اس لیے بدبخت ترین تھا کہ اس نے حضرت علیؓ کو قتل کر کے خلافتِ الٰہیہ کو مٹانے کی کوشش کی۔ خلافتِ راشدہ میں حضرت علیؓ چوتھے نمبر پر تھے اور آپ کی شہادت کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ بھی ختم ہو گئی اس خلافت کے ذریعے مسلمانوں کی اجتماعی عزت قائم تھی جس کو اس شخص نے ختم کر دیا۔ جس دن حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی اس دن روئے زمین پر آپ سے زیادہ فضیلت والا کوئی شخص نہیں تھا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوسرا بدبخت ترین وہ شخص ہو گا جو حضرت علیؓ کو شہید کرے گا۔

* * *

شیطان کے وساوس سے بچنے کیلئے نماز کو مختصر کرنا

عَنْ ابْنِ لَاسٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ دَخَلَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ الْمَسْجِدَ فَرَكَعَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ اَخَفَّهُمَا وَ اَتَمَّهُمَا قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَقُمْنَا اِلَيْهِ فَجَلَسْنَا عِنْدَهُ ثُمَّ قُلْنَا لَهُ لَقَدْ خَفَّفْتَ رَكْعَتَيْكَ هَاتَيْنِ جِدًّا يَا اَبَا الْيَقْظَانِ فَقَالَ اِنِّيْ بَادَرْتُ بِهِمَا الشَّيْطَانَ اَنْ يَّدْخُلَ عَلَيَّ فِيْهِمَا۔

(مسند طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۴)

حضرت عمار بن یاسرؓ کے شاگرد ابن لاس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمارؓ مسجد میں آئے اور ہلکی دو رکعتیں نماز ادا کی۔ اگرچہ ارکان نماز پورے پورے ادا کئے۔ پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم بھی اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھے اور ان سے کہا کہ آپ نے یہ دو رکعت نماز بڑی ہلکی سی ادا کی ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے یہ نماز اس لیے ہلکی ادا کی ہے تاکہ شیطان کے وسوسے سے بچ جاؤں۔ اگر نماز کو لمبی کرتا تو شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی کا خطرہ تھا۔

اگر وقت مکروہ نہ ہو تو مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لینی چاہئیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لو۔ اگر مسجد میں آ کر بیٹھ گیا اور پھر دو رکعت نفل ادا کئے تو ثواب کم ہو جائے گا۔ اسی طرح دو رکعت تحیۃ الوضو بھی پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ ہاں اگر جماعت کھڑی ہونے میں وقت کم ہو تو پھر مقررہ سنتیں ہی پڑھ لے۔ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد دو دو رکعتیں چھوڑ دے۔ ہاں سنتیں ادا کرتے وقت اگر یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی دو دو رکعتوں کا اجر بھی عطا فرمائے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کی بناء پر اس کو مطلوبہ ثواب بھی عطا فرمائے گا۔ تحیۃ الوضو کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے

کہ جو شخص وضو کرنے کے بعد دو رکعت نفل ادا کرتا ہے بشرطیکہ اس میں وسواس لاحق نہ ہو تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں تاکہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ ان دو نوافل کی اتنی فضیلت ہے بہر حال شاگردوں کے سوال کے جواب میں حضرت عمارؓ نے بتایا کہ میں نے شیطان کے وساوس سے بچنے کے لیے دو رکعت تحیۃ المسجد ہلکی ادا کی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے شعور، فہم اور دین کا یہ ایک نمونہ ہے۔

نماز کی ایک خاص دعا

عَنْ اَبِیْ مِجْلَزٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا عَمَّارٌ صَلَاةً فَاَوْجَزَ فِیْھَا فَاَنْکَرْنَا ذٰلِکَ فَقَالَ اَلَمْ اُتِمَّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اَمَّا اِنِّیْ قَدْ دَعَوْتُ فِیْھَا بِدُعَاءٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْا بِہٖ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۴)

ابو مجلز حضرت عمار بن یاسرؓ کے شاگرد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمارؓ نے ہمیں مختصر سی نماز پڑھائی۔ چونکہ یہ عام معمول سے ذرا زیادہ ہی ہلکی تھی تو شاگردوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے اتنی مختصر نماز پڑھائی ہے آپ نے فرمایا کہ تم اسے اوپرا کیوں سمجھتے ہو، کیا میں نے رکوع و سجود پورا پورا ادا نہیں کیا؟ نماز کے شرکاء نے کہا کہ ہاں رکوع و سجود تو پورا پورا ادا کیا ہے، اس میں تو کوئی کمی نہیں آئی۔ پھر حضرت عمارؓ نے کہا کہ میں نے ان دو مختصر رکعتوں میں وہ دعا کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں کیا کرتے تھے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیٰوۃَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ اَسْئَلُکَ خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ وَکَلِمَۃَ الْحَقِّ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی وَلَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضَرَّاءٍ مُضِرَّۃٍ وَمِنْ فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ اَللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا ھُدَاۃً مُّھْتَدِیْنَ

اے اللہ تو غیبوں کا جاننے والا ہے، اور مخلوق پر تیری قدرت ہے۔ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دے جب کہ وفات میرے لیے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

کہ ظاہر و باطن میں میرے اندر خشیت پیدا کردے، اور میں تجھ سے کلمہ حق کہنے کی توفیق بھی طلب کرتا ہوں خواہ غصے کی حالت ہو یا خوشی کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے تنگدستی اور آسودگی دونوں حالتوں میں میانہ روی کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں اسراف و تبذیر میں نہ پڑ جاؤں۔ اے اللہ! مجھے اپنی ذات کی طرف دیکھنے کا لطف عطاء فرما اور اپنی ملاقات کا شوق عطاء فرما۔ میں نقصان دِہ پریشانیوں اور تکلیفوں سے تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! میں گمراہ کرنے والے فتنوں سے تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین فرما دے اور ہمیں ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ بنا دے۔

یہ دعا حضور علیہ السلام اکثر نوافل میں پڑھا کرتے تھے اس کے علاوہ دیگر بہت سی دعائیں بھی آپ سے منقول ہیں۔ فرائض ادا کرتے وقت بالخصوص جماعت کے ساتھ ادائیگی میں اختصار کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کیونکہ جماعت میں بعض بوڑھے، کمزور، ضعیف، حاجتمند لوگ بھی ہوتے ہیں جو زیادہ دیر تک قیام نہیں کر سکتے لہٰذا ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ البتہ نوافل میں کوئی شخص جتنا چاہے طوالت اختیار کرے، یہ اس کی اپنی ہمت اور ذوق و شوق پر موقوف ہے۔

بہر حال حضرت عمار بن یاسرؓ نے شاگردوں کو تبلایا کہ میں نے یہ دو رکعتیں مختصر پڑھی ہیں مگر ان میں وہ دعا پڑھی ہے جو حضور علیہ السلام بعض اوقات نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

انسان کی دس فطری چیزیں

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ اَوِ الْفِطْرَةُ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَالسِّوَاكُ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَالْاِخْتِتَانُ وَالْاِنْتِضَاحُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۴)

حضرت عمار بن یاسرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں یا فطرت ان دس چیزوں پر بھی مشتمل ہے۔ اس سے مراد وہ حالت ہے جو بنی نوع انسان میں قدرتاً پائی جاتی ہے تمام نبیوں کے طریق میں جاری رہی ہے اور خود نبیوں نے بھی ان کی تعلیم دی ہے۔ جب کوئی شخص اپنی فطرت پر قائم ہو گا تو وہ ان دس چیزوں پر ضرور عمل کریگا۔

۱۔ پہلی چیز فرمایا اَلْمَضْمَضَةُ کلی کرنا یعنی منہ میں پانی ڈال کر منہ کو صاف کرنا۔ انسان کھانا کھاتا ہے یا سو کر اٹھتا ہے تو منہ میں آلائش ہوتی ہے اس کو صاف کرنے کے لئے کلی کرنا سنّتِ انبیاء ہے۔

۲۔ اَلْاِسْتِنْشَاقُ ناک جھاڑنا یعنی ناک میں پانی ڈال کر اس کو اچھی طرح صاف کرنا بھی فطری امر ہے۔ اگر ناک صاف نہ ہو تو قرآن پاک کی تلاوت یا دیگر عبادات کی ادائیگی کے دوران خلل واقع ہوتا ہے۔ انسان عام گفتگو بھی اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا لہٰذا ناک کی صفائی بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب نیند سے بیداری ہو تو ناک میں پانی ڈال کر اس کو خوب جھاڑو اس میں حکمت یہ ہے کہ رات کو جب سوتے وقت انسانی جسم کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں تو صرف ناک کا راستہ کھلا ہوتا ہے لہٰذا شیطان اس میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے اور رات بھر انسان کے دماغ میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے

جب بیدار ہو کر آدمی ناک جھاڑتا ہے تو شیطان کا یہ اڈہ بھی ختم ہو جاتا ہے یہ کام بھی نبیوں کی سنت اور فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔

۳۔ قَصُّ الشَّارِبِ۔ مونچھوں کا کاٹنا بھی سنّتِ انبیاء ہے اِن کو کتروانا چاہیئے دوسری حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔ لمبی مونچھیں مجوسیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کی علامت ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ ان کو کاٹو۔

۴۔ چوتھی فطری چیز فرمایا اَلسِّوَاكُ مسواک کرنا ہے۔ یہ منہ کو پاک کرنے والا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ عام نیکی کا اجر تو دس گنا ملتا ہے تاہم جو عبادت مسواک کرنے کے بعد کی جاتی ہے اس کا اجر ستر گنا بڑھ جاتا ہے مسواک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پائیوریا وغیرہ جیسی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے، گویا مسواک مادی لحاظ سے بھی مفید چیز ہے۔

۵۔ تَقْلِيمُ الْاَظْفَارِ۔ ناخنوں کا ترشوانا بھی فطری امور میں سے ہے۔ لمبے ناخنوں میں میل کچیل جمع ہو کر بیماریوں کا باعث بن سکتی ہے۔ ہفتہ عشرہ بعد ناخنوں کو ضرور کٹوا دینا چاہیئے۔ تاہم چالیس دن سے زیادہ کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔

۶۔ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ ہاتھوں کی چنٹوں کو صاف کرنا۔ ان میں بھی بعض اوقات میل کچیل جم جاتی ہے، لہٰذا صفائی ضروری ہے کہ یہ بھی سنتِ انبیاء اور فطری امر ہے۔

۷۔ نَتْفُ الْاِبِطِ یعنی بغلوں کے بالوں کو اکھاڑنا بھی فطرت انسانی میں داخل ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ ———— کہ اصل سنت تو یہی ہے لیکن میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا اگر ان بالوں کو اکھاڑنے میں دقت پیش آتی ہو تو استرے یا پاؤڈر وغیرہ سے صاف کر دینا بھی درست ہے۔

۸۔ اَلْاِسْتِحْدَادُ۔ زیر ناف مستورہ مقامات سے بالوں کو صاف کرنا بھی سنت ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ عورتوں کے لیے بھی استرا وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے تاہم اگر وہ پوڈر وغیرہ استعمال کریں تو بہتر ہے۔ دوسری روایت میں حضور علیہ السلام نے زیر ناف بالوں کی صفائی کے لیے چالیس دن کی تحدید فرمائی ہے کہ یہ بال اس عرصہ سے زیادہ دیر تک نہیں رہنے چاہئیں۔ اگر کوئی شخص بلا عذر چالیس دن

سے زیادہ عرصہ تک بال صاف نہیں کرتا تو اس کی نماز مکروہ ہوتی ہے۔ البتہ بیمار آدمی یا جس کو اس حصہ جسم میں کوئی تکلیف ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

۹۔ اَلْاِخْتِتَانُ۔ ختنہ کرنا بھی فطری امر اور سنت انبیاء میں سے ہے۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا اور آپ کے بعد یہ تمام انبیاء کی سنت ہے اور ہماری امت میں بھی جاری ہے۔

۱۰۔ اَلْاِنْتِضَاحُ۔ استنجا کرنا بھی ضروری ہے۔ عام حالات میں ڈھیلے سے اور اگر نجاست زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

بہر حال حضرت عمار بن یاسرؓ نے ان دس چیزوں کو سنت انبیاء بتلایا اور فرمایا کہ یہ سارے نبیوں کی سنت میں داخل ہیں، کیونکہ یہ انسان کی فطرت کا حصہ ہیں۔

شریعت محمدیہ کے علاوہ ہر اتباع گمراہی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ جَآءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ مَرَرْتُ بِاَخٍ لِّیْ مِنْ قُرَیْظَۃَ فَکَتَبَ لِیْ جَوَامِعَ مِنَ التَّوْرٰۃِ اَلَا اَعْرِضُھَا عَلَیْکَ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۵)

حضرت عبداللہ بن ثابت رضؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضؓ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا حضور۔ میرا گزر بنی قریظہ کے اپنے ایک بھائی بند کے پاس ہوا تو اس نے مجھے تورات کی چند عمدہ نصیحتیں لکھ کردیں، کیا وہ میں آپ کے سامنے پیش نہ کروں ؟ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ آباد تھے۔ یہاں بنی قریظہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی اپنی زمین، قلعے اور باغات تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو تورات کی بعض نصیحتیں لکھ کر دیں۔ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کی بات سنی تو فَتَغَیَّرَ وَجْھُہٗ آپ کا چہرہ مبارک غصے کی وجہ سے متغیر ہو گیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا اَلَا تَرٰی مَا بِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ کیا تم حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک نہیں دیکھ رہے ہو کہ ناراضگی کی وجہ سے کس قدر متغیر ہو گیا ہے؟ حضرت عمرؓ معاملہ کو فوراً سمجھ گئے کیونکہ آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے فوراً کہنے لگے۔ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ تَعَالٰی رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا۔ ہم راضی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضور خاتم النبیین کو اپنا رسول مان کر۔ بعض دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی موقع پر حضور علیہ السلام کو غصے کی حالت میں دیکھتے تو یہی کلمات دہراتے۔

چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے یہی الفاظ ادا کئے تو حضور علیہ السلام خوش ہو گئے اور آپ کا غصہ کافور ہو گیا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ لَوْ اَصْبَحَ فِیْکُمْ مُوْسٰی ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْہُ وَ تَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ اگر اس وقت خود موسٰی علیہ السلام بھی تمہارے پاس ہوتے، پھر تم ان کا اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو گمراہ ہو جاتے۔ یہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے جو پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں اور صاحب کتاب ہیں۔ مطلب یہ کہ میری موجودگی میں کسی دوسرے نبی کا اتباع بھی گمراہی کا باعث ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ اِنَّکُمْ حَظِّیْ مِنَ الْاُمَمِ وَ اَنَا حَظُّکُمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ تمام امتوں میں سے تم لوگ میرے حصے میں آتے ہو اور تمام انبیاء میں سے میں تمہارے حصے میں آیا ہوں۔ اب تمہیں کسی اور کا اتباع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس حدیث میں نصیحت کی بہت بڑی بات مذکور ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کی گمراہی کی یہی وجہ ہے کہ یہ اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنی شریعت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کوئی جمہوریت کا نام لیتا ہے کوئی سوشلزم، کوئی کمیونزم اور کوئی کیپٹلزم کا۔ آج کا مسلمان سمجھتا ہے کہ ہماری دنیوی نجات انہی ازموں میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اور دوسرے ازم سب لعنت ہیں۔ ان کو اپنانے سے کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایمان والوں کے پاس تو اللہ کی کتاب اور نبی کا اسوہ موجود ہے، ان کو چھوڑ کر دنیوی ترقی کے لیے کسی دوسری طرف دیکھنا سراسر گمراہی ہے۔ اس سے نہ ہدایت نصیب ہو گی اور نہ ترقی ملے گی۔ اسلامی نظام کے علاوہ سب لعنتیں ہیں، یہ انسانوں کے خود ساختہ نظام ہیں جو ترقی کی بجائے تنزل کی طرف لے جا رہے ہیں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دوست نے تورات کی بعض نصیحت آموز باتیں ہی تو لکھ کر دی تھیں۔ ان میں اسلام کے عقیدے کا انکار نہیں تھا اللہ اور اس کے رسول کا انکار نہیں تھا مگر قرآن پاک کی موجودگی میں نصائح کو بھی قبول نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے اسوہ حسنہ اور شریعت حقہ کی موجودگی میں کسی بڑی سے بڑی نصیحت اموز بات کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر

کوئی شخص اس کو درست سمجھتا ہے تو وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پڑے گا جہاں سے نکلنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔

گمشدہ چیز کے متعلق حکم

عَنْ عَيَّاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ الْتَقَطَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوِيْ عَدْلٍ ثُمَّ لَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا وَ إِلَّا فَإِنَّمَا هُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۶)

حضرت عیاض بن حمارؓ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کی روایات مسلم شریف میں بھی موجود ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کہتے ہوتے سنا کہ جس نے گری پڑی چیز اٹھائی اس کو موقع کے ایک یا دو گواہ بنا لینے چاہئیں کہ دیکھو بھائی میں نے کسی کی یہ گمشدہ چیز اٹھائی ہے اگر اس کا مالک مل گیا تو میں اسے لوٹا دونگا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ایسی گمشدہ چیز پائی ہے وہ نہ اس کو چھپائے اور نہ غائب کرے بلکہ اگر مالک مل جائے تو اس کو واپس کردے۔ ہر یافتہ چیز کی تشہیر کرے، خاص طور پر اگر چیز زیادہ قیمتی ہے تو مسلم شریف کی روایت کے مطابق سال بھر تک تشہیر کرکے اس کے مالک کو تلاش کرتا رہے۔ جہاں جہاں مالک کی موجودگی کا احتمال ہو سکتا ہے وہاں وہاں خاص طور پر تشہیر کرے کہ مجھے یہ چیز فلاں جگہ سے گری پڑی ملی ہے۔ جس کی ہو وہ نشانی بتا کر لے لے۔ آج کل تو ذرائع مواصلات عام ہیں ایسی چیز کی تشہیر بذریعہ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ بآسانی کی جا سکتی ہے۔ عام پبلک مقامات یا مسجدوں کے دروازوں پر ایسی چیز کا اعلان کیا جا سکتا ہے یا اشتہار لکھ کر لگایا جا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر ممکن طریقے سے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ پھر اگر مالک تشہیر کے باوجود دستیاب نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر گمشدہ چیز پانے والا خود محتاج ہے تو اسے خود استعمال کر سکتا ہے اور اگر خود محتاج نہیں تو اس چیز کو محتاجوں پر صدقہ کردے ہاں

اگر بالکل معمولی چیز ہے تو فوراً کسی محتاج کو دے، اس کے لیے لمبی چوڑی تشہیر کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ مسجد کے اندر کسی گمشدہ چیز کا اعلان کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں دروازے پر کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو اس چیز کے متعلق بتا سکتا ہے۔

پانچوں نمازوں کی حفاظت پر جنّت کی بشارت

عَنْ حَنْظَلَۃَ الْکَاتِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ رُکُوْعِھِنَّ وَسُجُوْدِھِنَّ وَوُضُوْئِھِنَّ وَمَوَاقِیْتِھِنَّ وَعَلِمَ اَنَّھُنَّ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ اَوْ قَالَ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۷)

حضرت حنظلہؓ حضور علیہ السلام کے کاتبین میں سے ہیں۔ ان کا تعلق بنی اسید کے ساتھ تھا۔ جب کبھی حضور علیہ السلام کو وحی یا کوئی اور چیز لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو آپ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ حضرت زیدؓ حضرت حنظلہؓ وغیرہم میں سے کسی کو طلب کر کے لکھوا دیا کرتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے والے خال خال لوگ ہی تھے۔ ورنہ ۹۶،۹۷ فیصدی لوگ ان پڑھ تھے۔ اسی لیے عربوں کا لقب اُمّی تھا۔ تو یہ حضرت حنظلہؓ کاتب رسول بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوتے سنا کہ جس شخص نے ہر روز پانچ نمازوں کی حفاظت کی۔ ان کے رکوع، سجود اور وضو کو اچھی طرح ادا کیا، اور ان کے اوقات کی پابندی کی۔ اس کے علاوہ یہ یقین رکھا کہ یہ فریضہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مجھ پر حق ہے کہ میں اس فریضہ کو مذکورہ لوازمات کے ساتھ پورا کروں، تو اس کے صلہ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا شخص لازماً جنت میں داخل ہو گا یا فرمایا کہ جنّت اس کے لیے لازم ہو گئی اور اس پر دوزخ حرام ہو گئی نماز اتنی پاکیزہ اور باعث نجات چیز ہے۔ اگر اس کے ساتھ دوسری نیکیاں بھی ہیں تو اس پر ابتداء ہی میں دوزخ حرام ہو گئی اور وہ سیدھا جنّت میں چلا جائیگا۔ اور اگر زندگی میں کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں تو پھر بھی ایسا شخص جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیگا۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق جو لوگ اللہ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور صحیح ایمان رکھتے ہیں ان کو ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھا جائیگا

اپنے گناہوں کی سزا تو وہ ضرور پائیگا مگر ایمان کی بدولت اللہ تعالےٰ اسے کسی نہ کسی ذریعہ سے وہاں سے نکال لیگا۔ اس مسئلہ میں تمام صحابہ کرامؓ، تابعین، جمہور سلف اور خلف اور علماء کا اتفاق ہے۔

گالی گلوچ پر سخت وعید

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِثْمُ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا عَلَى الْبَادِئِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ وَالْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَكَاذَبَانِ وَيَتَهَاتَرَانِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۶)

حضرت عیاض بن حمارؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والوں میں سے سارا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ دوسرا آدمی تعدی نہ کرے۔ اگر دوسرا آدمی بھی ترکی بہ ترکی جواب دیگا اور ویسے ہی گالی گلوچ کریگا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے والے دونوں شیطان ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں اور ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ خاص طور پر ایک مومن کو گالی دینے کے متعلق فرمایا سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ کہ یہ فسق کی بات ہے جس طرح کسی مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے اسی طرح کسی مومن کو گالی دینا فسق کی بات ہے۔

حلال وحرام کی وضاحت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَلَالٌ بَیِّنٌ وَحَرَامٌ بَیِّنٌ وَشُبُہَاتٌ بَیْنَ ذٰلِکَ.....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۷)

حضرت نعمان بن بشیرؓ دونوں باپ بیٹا صحابی رسول ہیں تاہم حضرت نعمانؓ صغائر صحابہ میں سے ہیں۔ دونوں انصار مدینہ میں سے ہیں بعد میں حضرت نعمانؓ کوفے میں آباد ہو گئے تھے، آپ کچھ عرصہ وہاں کے گورنر بھی رہے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو! آگاہ رہو اور اچھی طرح جان لو کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور وہ اس طرح کہ یا تو اللہ نے حلال اور حرام کو قرآن میں بیان کر دیا ہے یا اپنے نبی کی زبان سے واضح کر دیا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ بکری حلال ہے، اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ بہیمۃ الانعام میں شامل ہے اور اس میں بکری، گائے، بھیڑ اور اونٹ آتے ہیں۔ اس کے برخلاف اللہ نے خنزیر، مردار، دم مسفوح اور غیر اللہ کی نذر کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح اناج کی روٹی حلال ہے لیکن شراب حرام ہے۔ غرضیکہ حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی۔ البتہ بعض چیزیں مشتبہ ہیں اور عام طور پر پتہ نہیں چلتا کہ ان میں حلت کا عنصر زیادہ ہے یا حرمت کا۔ اسی لیے فرمایا کہ جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ جاتا ہے وہ حرام چیزوں سے بھی بچ جاتا ہے۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑا رہتا ہے اس کے حرام میں پڑ جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایماندار لوگ مشتبہ چیزوں سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دیکھئے اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے مگر سود کو حرام قرار دیا ہے جیسے فرمایا

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ - ۲۷۵)

اس طرح عطیہ حلال ہے مگر رشوت حرام ہے حضور علیہ السلام نے یہ مسئلہ ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھایا ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزیں چراگاہوں کی طرح ہوتی ہیں۔ یہ

چراگاہیں عام لوگوں کی ملکیت بھی ہوتی ہیں اور حکومتی ملکیت کی بھی۔ جو شخص چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چرائے گا تو خطرہ ہے کہ کوئی جانور چراگاہ کے اندر چلا جائے۔ البتہ جو شخص اپنے جانوروں کو چراگاہ سے دور رکھے گا وہ اس خطرے سے محفوظ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے محارم کی بھی یہی مثال ہے کہ ان کے قریب بھی نہ جایا جائے ورنہ ان میں ملوث ہو جانے کا ڈر ہے

خیر القرون کے تین ادوار

عَنْ نُعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْقَرْنُ الَّذِيْنَ بُعِثْتُ فِيْهِمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ....... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۷)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، لوگو! یاد رکھو! اس امت کا بہترین حصہ وہ ہے جس میں میری بعثت ہوئی ہے۔ جس دور میں آپ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، یہ بہترین دور ہے اور سب سے فضیلت والا ہے۔ پھر اس کے بعد والا یعنی صحابہؓ کا دور ہے۔ پھر جو ان سے ملتے ہیں تابعین کا دور بھی فضیلت والا ہے۔ پھر جو ان سے ملتے ہیں یعنی تبع تابعین کا دور بھی خیر القرون میں شامل ہے۔ ہر دور میں اچھے اور بُرے آدمی بھی رہے ہیں۔ مگر خیر القرون میں زیادہ تر لوگ اچھے تھے۔ ان میں خیر غالب تھی۔ پھر اگلے ادوار میں اچھے لوگ کم اور بُرے لوگوں کا غلبہ ہو گیا۔ فرمایا اس کے بعد ایسے لوگ اٹھیں گے تَسْبِقُ اَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ وَشَهَادَتُهُمْ اَيْمَانَهُمْ جو جھوٹی شہادتیں دیں گے یعنی اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزریں گے۔ یہ بُرے لوگوں کی نشانی اور علامت ہے جب کہ اچھے لوگ بہت کم رہ جائیں گے۔

شراب کی قطعی حرمت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِنَّ مِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا۔ (مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۲۶۷)

حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب صرف انگور ہی سے کشید نہیں ہوتی بلکہ کشمش، کھجور، گندم، جو اور شہد سے کشید ہونے والی بھی شراب ہی ہوتی ہے مطلب یہ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ شراب صرف وہی ہے جو انگور سے بنتی ہے بلکہ ہر قسم کی شراب شراب ہی تصور ہوتی ہے اور حضورؐ نے دوسری حدیث میں یہ بھی فرمایا کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ہر نشہ آور شراب حرام ہے۔ مذکورہ اشیاء کو پانی میں بھگو کر ان کا خمیر اٹھایا جاتا ہے اور پھر اس سے شراب تیار کی جاتی ہے جو کہ قطعی حرام ہے۔ آج کل یورپ میں جو کہ شراب بیئر کے نام سے عام ہے اور اسے پانی کی طرح پیا جاتا ہے مگر یہ بھی حرام ہے اور اس کے استعمال کرنے والے شرعی حد اسی کوڑوں کی سزا کے مستحق بنتے ہیں۔ حضور کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا حَرَّمَ بَيْعَهٗ اس نے اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا ہے جس طرح خنزیر اور بتوں کی تجارت حرام ہے اسی طرح کی کمائی بھی حرام ہے۔

کتاب و سنت پر لزوم

اَنَّ اَبَا مُوْسیٰ الْغَافِقِیَّ سَمِعَ عُقْبَۃَ بْنَ عَامِرِ الْجُہَنِیَّ یُحَدِّثُ عَلَی الْمِنْبَرِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَادِیْثَ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی اِنَّ صَاحِبَکُمْ ھٰذَا الْحَافِظٌ اَوْ ھَالِکٌ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰخِرَ مَا عَھِدَ اِلَیْنَا اَنْ قَالَ عَلَیْکُمْ بِکِتٰبِ اللّٰہِ .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۴)

عقبہ بن عامرؓ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ صاحب علم تھے اور آپ نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ فاتحین مصر میں شامل ہیں اور وہاں کچھ عرصہ گورنر بھی رہے آخر میں مصر میں اقامت اختیار کر لی تھی اور پھر وہیں فوت ہوئے لوگ آج بھی ان کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور ان کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔

یہ عقبہ بن عامر جہنیؓ منبر پر بیٹھے لوگوں کے سامنے حضور علیہ السلام کی احادیث بیان کر رہے تھے اور راوی حدیث حضرت ابوموسیٰ غافقی سُن رہے تھے۔ اس اثناء میں یہ لوگوں سے کہنے لگے کہ حدیث بیان کرنے والے عقبہ بن عامرؓ بڑے حافظے والے ہیں مطلب یہ تھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے یہ باتیں سن کر ذہن نشین کر لیں اور اب یہ آگے لوگوں کو سنا رہے ہیں۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ جو شخص حدیث کو یاد کر کے آگے صحیح طریقے سے بیان کرتا ہے وہ تو حافظ ہوتا ہے اور جس نے کوئی غلط بیانی کی تو وہ ہلاک ہونے والا ہوتا ہے کہنے لگے کہ ہم نے حضور علیہ السلام سے جو آخری بات سُنی وہ یہ تھی کہ اے لوگو! اللہ کی کتاب قرآن کو لازم پکڑو یعنی اس کو پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ تم جس علاقے میں رہتے ہو وہاں کے لوگ یُحِبُّوْنَ الْحَدِیْثَ عَنِّیْ میری طرف سے بیان کردہ احادیث کو پسند کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو! فَمَنْ قَالَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔

اور جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے آپ نے غلط بیانی اور شک و تردد کے اظہار سے سختی سے منع کیا۔ عام جھوٹ بولنے سے پیغمبر کی ذات پر جھوٹ بولنا زیادہ شدید گناہ ہے جب کہ عام جھوٹ بھی گناہ کبیرہ ہے اگر کوئی شخص نبی علیہ السلام کی طرف غلط بات منسوب کریگا، پھر لوگ سن کر اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ تو اس طرح وہ سب گمراہی میں مبتلا ہوں گے اس معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے کہ کوئی بات نبی علیہ السلام کی طرف غلط طور پر منسوب نہ ہو جائے۔ اور اس کی وعید یہ ہے کہ غلط بیانی کرنے والا شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جس شخص نے عمداً مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرلے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَنْ حَفِظَ عَنِّيْ شَيْئاً فَلْيُحَدِّثْهُ جس کو میری طرف سے کوئی بات اچھی طرح یاد ہے وہ اس کو آگے بیان کرے۔ اس کے برخلاف غلط بات بیان کرنا کبیرہ گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔

نمازِ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنا

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْرِدُوْا بِالظُّہْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَہَنَّمَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۳ صفحہ ۲۶۲)

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی تپش سے ہوتی ہے۔ ماہرینِ جغرافیہ کہتے ہیں کہ جب سورج خطِ استوا کے قریب سے گزرتا ہے تو گرمی میں شدت آجاتی ہے اور جب وہ جنوب کی طرف چلا جاتا ہے تو سردی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ظاہری اسباب تو یہی ہیں مگر ہو سکتا ہے کہ سورج کا رابطہ جہنم کے ساتھ بھی ہو جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ یہ چیز ہماری آنکھوں اور ادراک سے اوجھل ہے ہمیں تو حضور علیہ السلام کے فرمان پر ہی یقین رکھنا چاہیئے۔ اس کی مثال سمندر میں پیدا ہونے والے مدوجزر میں بھی پائی جاتی ہے۔ ہر ماہ کے چاند کے بڑھنے کے ساتھ سمندر کئی میل تک پھیل جاتا ہے اور جب چاند گھٹنا شروع ہو جاتا ہے تو سمندر میں جزر واقع ہونے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کو چاند کے ساتھ کوئی خصوصی تعلق ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ گرمی کا تعلق جہنم کی تپش کے ساتھ ہو۔ اسی لیے فرمایا کہ ظہر کی نماز ذرا ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

حجۃ الوداع پر چار منہیات کا حکم

عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ قَیْسٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اِنَّمَا ھُنَّ اَرْبَعٌ لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۹)

حضرت سلمہ بن قیس اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ لوگو! ان چار چیزوں کا خاص خیال رکھو۔ یاد رہے کہ مدنی زندگی کے دوران حضور علیہ السلام عمرہ کے لیے تو چار دفعہ مکہ معظمہ آئے مگر حج صرف ایک ہی دفعہ ۱۰ھ میں ادا کیا جسے حجۃ الوداع کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے دوران سفر و حضر بہت سے احکام سکھائے تھے۔ پھر نویں ذوالحج کا خطبہ تو بہت مشہور ہے جس میں آپ نے پوری زندگی کا لائحہ عمل واضح کر دیا تھا۔ پھر دسویں تاریخ کو منیٰ میں بھی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کی بہت سی باتیں سکھلائیں۔ بہر حال راوی بیان کرتا ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے سفر میں ان چاروں باتوں کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔

۱۔ پہلی بات یہ فرمائی لوگو! لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کہ یہ دین کا بنیادی مسئلہ ہے اللہ نے سورۃ لقمان میں فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (آیت ۔ ۱۳) یعنی شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النسآء ۔ ۴۸) اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کریگا اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف فرما دے۔

۲۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی۔ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ

اِلَّا بِالْحَقِّ" جس جان کو اللہ نے مارنا حرام قرار دیا ہے اس کو مت قتل کرو۔ کسی جان کا ناحق قتل بھی بہت بڑا جرم ہے جس کے بدلے میں قاتل کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔ مذکورہ الفاظ معمولی سی تبدیلی کے ساتھ سورۃ فرقان کی آیت ۶۸ کے ہیں۔

۳۔ وَلَا تَسْرِقُوْا فرمایا چوری بھی نہ کرو۔ شریعت نے اس جرم کی سزا قطع ید رکھی ہے اگر چوری کی مالیت نصاب کو پہنچ جائے تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

۴۔ وَلَا تَزْنُوْا فرمایا زنا سے بچتے رہو کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اس جرم کا ارتکاب کریگا يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن اسے دگنا عذاب دیا جائیگا۔ (الفرقان) اللہ نے دنیا میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم اور غیر شادی شدہ کی سو کوڑے مقرر کی ہے۔

سونے کی ناک کی اباحت

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرْفَةَ اَنَّ جَدَّهٗ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ اُصِيْبَ اَنْفُهٗ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِّنْ وَرِقٍ فَاَنْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَّخِذَ اَنْفًا يَعْنِيْ مِنْ ذَهَبٍ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۵ صفحہ ۲۳)

حضرت عرفجہ ابن اسعدؓ کے پوتے عبدالرحمٰن بن طرفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دادا حضرت عرفجہؓ صحابی رسول تھے کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہمارے دادا کی ناک کُلاب کی جنگ میں کٹ گئی۔ یہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ تو کہتے ہیں کہ انہوں نے کٹی ہوئی ناک کی جگہ چاندی کی ناک بنوا کر لگوا لی مگر وہ ان کو موافق نہ آئی اور ہڈی میں بدبو پیدا ہوگئی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر حضور علیہ السلام سے کیا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ چاندی کی بجائے سونے کی ناک لگوا لے۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کا کوئی عضو ضائع ہو جائے اور وہ چاندی یا کسی اور دھات کا فٹ نہ بیٹھے، کوئی دیگر تکلیف لاحق ہو جائے تو ایسی حالت میں ضائع شدہ ناک یا کوئی دوسرا عضو سونے کا لگوایا جا سکتا ہے۔ اس سے فقہائے کرام یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر دانت سونے یا چاندی کے مادہ سے جوڑے جائیں تو ایسا کرنا درست ہے۔ اور اگر دانت بالکل اکھڑ جائے اور اس کی جگہ پلاسٹک، پتھر یا کسی دوسرے مادہ سے تیار کردہ دانت موافق نہ آئے تو اس کی بجائے سونے یا چاندی کا دانت لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر دانت کا حصہ ٹوٹ جائے اور بقیہ حصہ پر سونے کا خول چڑھا دیا جائے تو معاملہ مشکوک ہو جائیگا۔ ناقص یا ٹوٹے ہوئے دانت کو نکال کر اگر چاندی یا سونے کا مکمل دانت لگوا لیا جائے تو وہ درست ہے مگر خول چڑھانے سے غسل اور وضو کا پانی اصل ٹوٹے

ہوئے دانت تک نہیں پہنچ پائیگا جس کی وجہ سے غسل اور وضو مکمل نہیں ہو سکے گا لہذا ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ غرضیکہ حدیث میں بیان کردہ کٹی ہوئی ناک کے مسئلہ سے ٹوٹے یا اکھڑے ہوئے دانت کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا کہ اس میں سونے یا چاندی کا استعمال کس حد تک جائز ہے۔

غسل واجب کرنے والی چیزیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّہٗ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمَّا یُوْجِبُ الْغُسْلَ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۲)

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت علیہ السلام سے چند درپیش مسائل دریافت کئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ حضور! یہ بتائیں کہ غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ لہٰذا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے اور اگر اس کا مادہ منویہ خارج نہ بھی ہو تب بھی غسل واجب ہو جاتا ہے اگر مادہ منویہ شہوت کے ساتھ مباشرت کے بغیر بھی خارج ہو جاتے جیسے احتلام وغیرہ کے ذریعے تو غسل پھر بھی فرض ہو جاتا ہے۔

اس صحابی نے دوسرا مسئلہ یہ دریافت کیا وَعَنِ الْمَآءِ یَکُوْنُ بَعْدَ الْمَاءِ یعنی مرد کے آلہ تناسل سے جو لیس دار مادہ خارج ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ استنجا اور وضو کر کے نماز پڑھ لو۔ اس مادے کو مذی کہتے ہیں۔

پھر تیسرا مسئلہ یہ تھا عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ بَیْتِیْ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الْمَسْجِدِ۔ یعنی گھر میں اور مسجد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دیکھو میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے یعنی گھر کی دیوار مسجد کے ساتھ ملحق تھی تو فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ اگر باقی نمازیں گھر میں پڑھوں تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے البتہ فرض نماز کی ادائیگی گھر کی نسبت مسجد میں بہر حال بہتر ہے اور سنت نوافل وغیرہ گھروں میں پڑھنا بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں فرائض کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں

پڑھتا ہوں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اپنے گھروں کو قبروں کی طرح سنسان نہ بناؤ بلکہ گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو تا کہ وہاں پر خیر و برکت نازل ہو۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ گھر کی عورتوں اور بچوں کو بھی نماز کی ترغیب ملے گی۔

• اور چوتھا مسئلہ یہ تھا عَنْ مُوَاکَلَۃِ الْحَائِضِ یعنی حیض والی عورت کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں یہودیوں کا مذہب غلط ہے جو ایسی چیز سے نفرت کرتے ہیں حیض کے ایام میں عورت کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا اور لیٹنا بالکل جائز ہے۔ صرف جماع جائز نہیں۔

حضرت جعفرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَسْلَمَ مَوْلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لِجَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَشْبَھْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۲)

حضرت عبداللہ بن اسلمؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم اور آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کے متعلق روایت بیان کی ہے۔ جو کہ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ بھی ابتدا میں ہی اسلام لے آتے تھے، بڑے غریب نواز تھے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب اپنے لیے نیا کپڑا سلواتے تو کسی محتاج کو بھی ضرور لباس پہناتے۔ جو خود کھاتے، ویسا ہی انتظام کسی یتیم مسکین کے لیے بھی کرتے۔ آپ اکثر غرباء و مساکین کی ہم نشینی اختیار کرتے اسی لیے حضور علیہ السلام نے آپ کی کنیت ہی ابو المساکین رکھ دی تھی۔ آپ ۸ھ میں جنگ موتہ میں شریک ہوئے۔ آپ نے امیر لشکر کی حیثیت سے جھنڈا تھام رکھا تھا جب ایک ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا دوسرے ہاتھ میں تھام لیا جب دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا دانتوں کے ذریعے تھامے رکھا۔ بالآخر اسی جنگ میں شہید ہوتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفرؓ کو دو بازوؤں کی جگہ دو پَر عطا کر دیئے ہیں اور آپ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔

انہی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اَشْبَھْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ۔ کہ میری مشابہت جعفرؓ کے ساتھ ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔ مطلب یہ کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی طرح آپ کی ظاہری شکل و شبہات بھی حضرت

جعفرؓ کے ساتھ ملتی جلتی تھی اور آپ کے اخلاق بھی آپ کے ساتھ ملتے جلتے تھے۔ آنحضرت علیہ السلام اس بات کا ذکر اکثر کیا کرتے تھے۔ یہ چیز حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے لیے بہت بڑی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

تین افضل اعمال

عَنْ مَاعِزٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ ثُمَّ الْجِهَادُ ثُمَّ حَجَّةٌ بَرَّةٌ تَفْضُلُ سَائِرَ الْعَمَلِ كَمَا بَيْنَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ إِلَى مَغْرِبِهَا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۲)

صحابی رسول حضرت ماعزؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور! افضل اعمال کون سے ہیں؟ تو آپ نے اس حدیث میں تین چیزوں کو افضل الاعمال قرار دیا۔ فرمایا پہلا افضل عمل ایک اللہ پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ اس کی فضیلت کو کوئی دوسرا عمل نہیں پہنچ سکتا۔ کلمہ توحید تمام اعمال کی جڑ بنیاد ہے اگر یہ درست ہے تو باقی اچھے اعمال بھی مقبول ہوں گے اور اگر بنیاد ہی غلط ہے تو کوئی بھی اچھا عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

فرمایا اس کے بعد افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں انسان جان و مال کی بازی لگا دیتا ہے اور اسلام کو غالب اور طاغوتی طاقتوں کو مغلوب کرنے کی سعی کرتا ہے فرمایا اس کے بعد تیسرا بہتر عمل حج بیت اللہ ہے جس کو اللہ توفیق بخشے جو حج نیک کمائی اور صحیح طریقے پر کیا جائے وہ افضل عمل ہے۔ پھر فرمایا کہ ان اعمال اور باقی نیک اعمال کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فرق ہے۔

سجدہ کی مسنونہ حالت

عَنْ اَحْمَرَ بْنِ جَزْءٍ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ کُنَّا لَنَاوِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا یُجَافِیْ مِرْفَقَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ اِذَا سَجَدَ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۲)

حضرت احمر بن جزء رضؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ ہم جب کبھی حضور علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تو ہم نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام جب نماز کا سجدہ کرتے تو اپنی کہنیوں کو پہلوؤں سے علیحدہ رکھتے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام سجدہ کرتے فَرَّجَ یَدَیْہِ عَنْ اِبْطَیْہِ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَرٰی بَیَاضَ اِبْطَیْہِ تو اپنے بازوؤں کو بغلوں سے دور ہٹا کر رکھتے یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔ مستدرک حاکم کی روایت میں اس طرح آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اپنے بازوؤں کو نہ پھیلاؤ اور زمین پر اپنے ہاتھوں کو جما کر رکھو وَتَجَافَ عَنْ ضَبْعَیْکَ اور اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھو۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے تھے سجدہ کے علاوہ اور بھی بہت سے لوازمات ہیں تاہم اس حدیث میں اس بات کا حکم دیا ہے۔

شکر کی فضیلت اور اجر

عَنْ سِنَانِ بْنِ سَنَّةَ صَاحِبِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۳)

صحابی رسول حضرت ابن سنہؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والے کے لیے روزہ رکھنے اور صبر کرنے والے آدمی جیسا اجر ملتا ہے اس حدیث مبارکہ میں شکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ شکر ایک بہت بڑا اصول ہے۔ جس شخص کو اللہ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہو اسے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ ایک شخص روزہ تو نہیں رکھتا مگر کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو اس کے لیے روزے دار اور صابر کا اجر ہے۔

ملت اسلامیہ کے بڑے بڑے اصولوں میں توحید کو ماننا صبر کرنا، شکر کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، شعائر اللہ کی تعظیم کرنا شامل ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ (ابراہیم۔ ۷) اگر نعمت ملنے پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو گے تو وہ فرماتا ہے کہ میں مزید نعمت عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کا اظہار کرو گے تو میری ناراضگی کا سبب ہو گا اور پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ شکر کرنے کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ انسان زبان سے الحمد للہ کہے۔ کھانا کھانے کے بعد کپڑا پہننے کے بعد یا کسی بھی نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شکر کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی نعمت جس مقصد کے لیے دی گئی ہے انسان اس مقصد کو پورا کرتا رہے اور اس میں کوتاہی نہ کرے۔ اگر کوئی شخص مقصد ہی پورا

نہیں کرتا تو وہ ناشکر گزاری کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ دل سے بھی اللہ کی طرف توجہ رکھے اور زبان سے بھی اس کی تعریف اور شکر کے کلمات ادا کرتا رہے۔

رمی جمرات کا طریقہ

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَجَجْتُ حَجَّةَ الْوِدَاعِ اَرْدَفَنِیْ عَمِّیْ سِنَانُ بْنُ سَنَّةَ فَلَمَّا وَقَفْنَا بِعَرَفَاتٍ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا اِحْدٰی اِصْبَعَیْہِ عَلَی الْاُخْرٰی فَقُلْتُ لِعَمِّیْ مَاذَا یَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ ارْمُوا الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَی الْخَذْفِ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۳)

حضرت سنان ابن سنہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ابو عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں اپنے چچا حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھا۔ وقوف عرفات کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک انگلی کو دوسری پر رکھ کر کچھ فرمایا۔ اس پر میں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ شیطان کو رمی کرتے وقت چھوٹے چھوٹے سنگریزے مارو جو کہ انگلی کے ساتھ پکڑ کر مارے جا سکیں۔ مطلب یہ تھا کہ شیطان کو بڑے بڑے پتھر مارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے کنکر مارو اور ہر کنکر مارتے وقت اللہ اکبر کہتے چلو۔

مکہ پر آئندہ چڑھائی نہ ہونے کی پیشین گوئی

عَنِ الْحٰرِثِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بَرْصَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُغْزٰى مَكَّةُ بَعْدَهَا اَبَدًا۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۳)

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت حرث بن مالک بن برصاؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کے بعد مکہ پر کسی کو چڑھائی کرنے کی قدرت نہیں ہوگی۔ کفار مکہ نے مدینہ پر آخری حملہ غزوہ خندق کے موقع پر کیا تھا۔ آپ نے اسی وقت پیشین گوئی فرمادی تھی کہ آج کے بعد کسی کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوگی بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔ آپ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور پھر تھوڑا ہی عرصہ بعد مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لیا۔

روایات میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں حبشیوں کا ایک لشکر مکہ پر حملہ آور ہوگا جس کا سرغنہ موٹی پنڈلیوں والا ایک خبیث قسم کا حبشی ہوگا۔ تاہم اب تک کسی کو حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ خانہ کعبہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ ہاں چھوٹے موٹے فسادات اکثر اپنے لوگ ہی کرتے رہتے ہیں، کسی بیرونی طاقت کو آج تک اس کی ہمت نہیں ہوئی۔

قرات دوران نماز

عَنِ الْبَیَاضِیِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَقَدْ عَلَتْ اَصْوَاتُھُمْ بِالْقِرَاءَۃِ فَقَالَ اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ عَزَّ وَجَلَّ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْہِ وَلَا یَجْھَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

حضرت بیاضیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز ادا کر رہے تھے اور دورانِ قرات ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ دن کی نمازیں یعنی ظہر اور عصر آہستہ آواز سے پڑھی جاتی ہیں جب کہ رات کی نمازیں یعنی مغرب عشاء اور فجر بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت ہے ان نمازوں میں فرض نمازیں تو بہر حال بلند آواز سے ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص نوافل بھی بلند آواز سے پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس پر آپ نے فرمایا اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ بیشک نمازی نماز پڑھتے وقت اپنے پروردگار کے ساتھ سرگوشی میں مصروف ہوتا ہے وہ اپنے رب کی بارگاہ میں مناجات کر رہا ہوتا ہے۔ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْہِ۔ اسے دیکھنا چاہئے کہ وہ کس قسم کی سرگوشی کر رہا ہے۔ کیا وہ اپنے پروردگار کے حضور کوئی غلط بات یا ریاکاری کا اظہار تو نہیں کر رہا ہے۔ مطلب یہ تھا بلند آواز سے قرات کرنے میں ریاکاری کا شبہ بھی ہو سکتا ہے لہٰذا اسے نماز پڑھتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے آپ نے یہ بھی فرمایا وَلَا یَجْھَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ تم ایک دوسرے کے سامنے قرآن پاک بھی بلند آواز سے نہ پڑھا کرو تاکہ دوسرے کی نماز میں خلل واقع نہ ہو۔ اگرچہ کسی حد تک بلند آواز سے پڑھنا بھی درست ہے تاہم اعتدال کو بہر صورت قائم رکھنا چاہیئے

اگر کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور دوسرے بلند آواز سے ذکر کرنے لگیں یا درود شریف پڑھنا شروع کردیں تو ظاہر ہے کہ نمازی کی نماز میں خلل واقع ہوگا، لہٰذا کسی دوسرے شخص کی موجودگی میں آواز کو پست رکھنا ہی بہتر ہے۔

نمازِ عصر کا وقت

حَدَّثَنِیْ اِلَی اَرْوٰی قَالَ کُنْتُ اُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اٰتِیَ الشَّجَرَۃَ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابی ابوارویٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ عصر کی نماز ادا کرتا تھا اور پھر شجرہ کے مقام پر غروب آفتاب سے پہلے پہنچ جاتا تھا۔ مقام شجرہ۔ مدینہ طیبہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ نماز عصر کے بعد اتنا وقت ہوتا تھا کہ صحابی رسول مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے بعد شام سے پہلے پہلے اپنے مقام پر پہنچ جایا کرتا تھا۔

یتیم کے پرورش کنندہ کے لیے جنت کی بشارت

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ يَقُولُ مَنْ ضَمَّ يَتِيمًا بَيْنَ أَبَوَيْنِ مُسْلِمَيْنِ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ حَتَّى يَسْتَغْنِيَ عَنْهُ لَهُ الْجَنَّةُ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت مالک بن حرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ بات سنی، آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے مسلمان والدین کے کسی یتیم بچے کو اپنی پرورش میں لیا اور اس کو کھلاتا پلاتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل ہو گیا تو ایسا پرورش کنندہ یقیناً جنت میں داخل ہو گا یہاں پر شرط ہے کہ جن ماں باپ کا یتیم بچہ زیر کفالت آیا ہے ان کا مومن ہونا ضروری ہے خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔ غیر مسلم والدین کے یتیم بیٹے کی پرورش پر جنت کی بشارت نہیں دی گئی۔

صبح و عصر کی نمازوں کی بروقت ادائیگی نہایت ضروری ہے

عَنْ فُضَالَۃَ اللَّیْثِیِّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ وَعَلَّمَنِیْ حَتّٰی عَلَّمَنِی الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ لِمَوَاقِیْتِھِنَّ الخ .... (مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

قبیلہ بنو لیث سے تعلق رکھنے والے حضرت فضالہ لیثیؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا پھر نبی علیہ السلام نے مجھے اسلام کی تعلیم دی اور خاص طور پر پانچ نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کی تعلیم دی۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! اِنَّ ھٰذِہِ السَّاعَاتِ اَشْغَلُ فِیْھَا فَمُرْنِیْ بِجَوَامِعَ۔ ان اوقات میں تو ہم کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں لہٰذا مجھے کوئی جامع چیز بتلا دیں جس پر میں عمل کرتا رہوں، اور وہ مجھ سے فوت نہ ہو۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنْ شُغِلْتَ فَلَا تُشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَیْنِ ان اوقات میں تم کتنے بھی مشغول ہو مگر عصرین کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرنا، ان کو ضرور اپنے وقت پر ہی ادا کرنا۔ اس کے بعد صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا حضور! یہ تبلائیں وَمَا الْعَصْرَانِ۔ کہ عصرین سے آپ کی کیا مراد ہے یعنی یہ کونسی نمازیں ہیں جن کی بروقت ادائیگی ضروری ہے آپ نے فرمایا صَلَاۃُ الْغَدَاۃِ وَصَلَاۃُ الْعَصْرِ۔ اس سے صبح اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یہ دو نمازیں کسی بھی حالت میں تم سے فوت نہیں ہونی چاہئیں۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ جس شخص نے دو ٹھنڈے اوقات کی نمازیں ادا کیں وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گا۔ فجر کا وقت تو لازماً ٹھنڈا ہوتا ہے اور عصر کے وقت بھی گرمی کی شدت میں کمی آجاتی ہے تو ان دو نمازوں کو بردین کی نمازیں بھی کہا گیا ہے۔ نمازیں تو پانچوں فرض ہیں تاہم ان دو نمازوں کو بروقت ادا کرنے کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ صبح کے وقت نیند سے بیدار ہونا بھاری

ہوتا ہے اور عصر کے وقت کام کاج سے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے، لہذا نیند اور کام کاج کو بالائے طاق رکھ کر نماز ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

والدین کی خدمت نہ کرنے پر وعید

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْہِ اَوْ اَحَدَھُمَا ثُمَّ دَخَلَ النَّارَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَ اَسْحَقَہٗ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

ابو مالک ؓ بھی حضور علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کو اپنی زندگی میں پایا اور پھر وہ جہنم میں داخل ہوا تو خدا تعالےٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے دور کرے اور اسے تباہ و برباد کرے۔

مطلب یہ ہے کہ والدین کی موجودگی اولاد کے لیے جنّت کا ذریعہ ہوتا ہے انسان والدین کی خدمت کر کے جنّت حاصل کر سکتا ہے مگر جس شخص کو ایسا موقع میسر آیا مگر اس نے والدین کی خدمت نہ کی یا حکم عدولی کی بناء پر جنّت حاصل نہ کی اور دوزخ میں چلا گیا وہ بڑا ہی بدبخت آدمی ہے ایسے شخص پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے

عَنِ الْخَشْخَاشِ الْعَنْبَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنٌ لِي قَالَ فَقَالَ ابْنُكَ هٰذَا قَالَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَا يَجْنِيْ عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِيْ عَلَيْهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵)

صحابی رسول حضرت خشخاص عنبریؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ میرا بیٹا بھی میرے ساتھ تھا آپ نے دریافت کیا، کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ یاد رکھو! اس کا نقصان تم سے نہیں بھرا جائیگا اور تمہارا نقصان اس سے نہیں پورا کیا جائیگا مقصد یہ کہ جو شخص کوئی نقصان کریگا وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔

جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر باپ کوئی جرم کرتا تو اس کی پاداش میں بیٹے یا بھائی کو پکڑ لیا جاتا اور اگر بیٹا مجرم ہوتا تو باپ کو پکڑ لیا جاتا اور سزا دی جاتی اس کے برخلاف قرآن نے یہ مسلم اصول دیا ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ (النجم ۳۸) کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا بلکہ ہر کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ عام مقولہ بھی ہے "جو کریگا وہی بھریگا" اگر نقصان باپ نے کیا ہے تو بیٹا اس کے بدلے میں ماخوذ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر بیٹا باپ کے ساتھ جرم میں شریک ہے تو پھر وہ بھی بحیثیت مجرم پکڑا جائیگا اور اگر بیٹا جرم میں شریک نہیں ہے تو پھر اس کو ملوث کرنا اور اس سے نقصان پورا کرنا درست نہیں ہے۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اس اصول سے انحراف نہیں کرنا چاہیئے۔

پسندیدہ نام

عَنْ اَبِیْ وَهْبٍ الْجُشَمِیِّ وَکَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسَمَّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ اَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَ مُرَّةٌ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۴۵)

صحابی رسول حضرت ابو وہب جشمیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نام نبیوں کے ناموں پر رکھا کرو جیسے محمد، موسیٰ، عیسیٰ، شعیب یونس، ادریس وغیرہ۔ یہ نام اللہ نے قرآن پاک میں بیان کئے ہیں ایسے نام رکھنے میں تبرک بھی ہے اور بہتری بھی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں کیونکہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے ایسے ہی عبدالستار، عبدالغفار، عبدالعزیز عبدالصمد وغیرہ بھی پسندیدہ نام ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچے نام حارث اور ہمام ہیں کہ حارث کا معنیٰ محنت کرنے والا اور ہمام کا معنیٰ قصد یا فکر کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا قبیح نام حرب اور مُرہ ہیں۔ حرب کا معنیٰ جنگ اور مُرہ کا معنیٰ کڑوا ہوتا ہے یہ نام پسندیدہ نہیں ہیں۔

واقعہ صلح حدیبیہ

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَا خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ يُرِيدُ زِيَارَةَ الْبَيْتِ لَا يُرِيدُ قِتَالًا وَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ سَبْعِينَ بُدْنَةً .... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۲۳)

حضرت مسور ابن مخرمہؓ اور مروان ابن حکم دونوں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال مکہ مکرمہ کے لیے نکلے۔ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہتے تھے اور کسی لڑائی کے ارادے سے نہیں چلے تھے آپ کے ساتھ قربانی کے ستر اونٹ بھی تھے۔

اس حدیث مبارکہ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں بھی ہے۔ تاہم اس لمبی حدیث میں کچھ مزید باتیں بھی ہیں جو دوسری روایات میں مذکور نہیں ہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ سفر عمرہ خواب کی بناء پر تھا جس میں آپ نے دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں۔ آپ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا، پھر لوگوں نے سر کے بال منڈواتے اور بعض نے کٹوانے پر اکتفا کیا۔ جب حضور علیہ السلام نے یہ خواب صحابہ کے سامنے بیان کیا تو ان کو بڑی خوشی ہوئی اور بیت اللہ کی زیارت کے شوق میں تیاری شروع کر دی۔ اس خواب کا ذکر اللہ نے سورۃ فتح میں کیا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ .... الخ (آیت ــ ۲۷) یہ صرف خواب تھا، حضور علیہ السلام کو باقاعدہ وحی نہیں آئی تھی لہٰذا اس سلسلہ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی حضور علیہ السلام ان معاملات میں سب سے زیادہ مشورہ

کرنے والے ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں ہم تو عمرہ کی نیت سے جا رہے ہیں۔ نہ کہ جنگ کے ارادے سے لیکن اگر ہمیں روکا گیا تو ہم ضرور لڑیں گے کیونکہ ہمارا مقصد محض عمرے کی ادائیگی ہے۔

بہر حال آپ چودہ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ نکلے۔ ادھر قریش مکہ کو حضورؐ کے اس ارادہ کا پتہ چلا تو انہوں نے آپ کا راستہ روکنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے خالد بن ولید کو گھوڑوں کا لشکر دے کر روانہ کیا جب وہ مکہ سے کافی دور مقام عریض تک پہنچے تو پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کے ہمراہ آ رہے ہیں۔ اُدھر حضور علیہ السلام کو خالد بن ولید کی روانگی کا علم ہوا تو آپ نے معروف راستہ تبدیل کر لیا اور دوسرے راستے پر چل نکلے جس کا کفار کے رسالے کو علم نہ ہو سکا حتیٰ کہ مسلمانوں کا یہ قافلہ ثنیۃ المرار کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہاں آ کر حضور علیہ السلام کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اونٹنی میرے اشارے پر چلتی اور اشارے پر رکتی ہے مگر اس کا یہاں خود بخود بیٹھ جانا حکمت سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ عَنْ مَكَّةَ کہ اس کو اسی ذات نے آگے چلنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھی والوں کو مکہ میں داخلے سے روک دیا تھا۔ آپ کا اشارہ ابرہہ کے لشکر کی طرف تھا جو خانہ کعبہ کو گرانے کے ارادے سے آیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو منیٰ سے آگے نہیں آنے دیا بلکہ وہیں پر روک کر پرندوں کے ذریعے چھوٹے چھوٹے کنکر پھینکوا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ فرمایا اسی پروردگار نے اس اونٹنی کو بھی اس جگہ پر روک دیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اونٹنی کو اٹھایا اور آپ وہاں سے چل کر حدیبیہ کے مقام پر رک گئے پھر قریش کی جانب سے تین چار آدمی آتے، مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں قریش نے اپنے ایک سردار سہیل ابن عمرو کو بھیجا یہ نرم مزاج مگر ہوشیار آدمی تھا۔ اس کو آتے ہوئے دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب قریش مصالحت پر آمادہ ہیں چنانچہ صلح کے لیے قریش نے کچھ شرطیں پیش کیں جو حضور علیہ السلام نے سب کی سب منظور کر لیں حالانکہ یہ مسلمانوں کے حق میں کمزور تھیں۔ صلح نامہ لکھا گیا اور اسی دوران سہیل بن عمرو کا بیٹا

ابو جندلؓ آگیا جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس وقت کافروں کی قید میں تھا اس نے آکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کافر مجھے سخت تکالیف دیتے ہیں میں کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لہٰذا آپ مجھے اپنے پاس پناہ دے لیں اس پر سہیل نے کہا کہ صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے جس میں یہ واضح شرط موجود ہے کہ اگر مکے کا کوئی مسلمان بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے، لہٰذا اس شخص کو پناہ نہ دی جائے بلکہ واپس کیا جائے۔ اگرچہ معاہدہ پر دستخط ہو چکے تھے مگر اس وقت تک ابھی مجلس برخاست نہیں ہوئی تھی اور مسلمان ابو جندلؓ کو روک سکتے تھے مگر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم معاہدہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ اسی وقت سہیل نے اٹھ کر اپنے بیٹے ابو جندلؓ کے منہ پر تھپڑ مارا اور اسے پکڑ کر واپس مکہ لے جانا چاہا۔ حضور علیہ السلام اور حضرت عمرؓ نے ابو جندل کو تسلی دی اور کہا کہ اب معاہدہ کی خلاف ورزی درست نہیں، تم واپس جاؤ، اللہ کوئی بہتر راستہ نکال لے گا۔

معاہدہ حدیبیہ طے پا جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہم عمرہ ادا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تم ہدی کے جانور یہیں ذبح کر کے احرام کھول دو صحابہ بڑے متردد تھے کہ عمرہ ادا کئے بغیر احرام کیسے کھول دیں۔ اس دوران میں حضور علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف لاتے۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے بتایا کہ میں نے لوگوں کو احرام کھول دینے کے لیے کہا ہے مگر وہ اس پر آمادہ نہیں۔ ام المومنین بڑی سمجھدار خاتون تھیں کہنے لگیں حضور! آپ سب سے پہلے اپنے ہدی کے جانور ذبح کر کے حجامت بنوالیں اور لوگوں کو کچھ نہ کہیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب لوگوں نے آپ کو یہ عمل کرتے دیکھا تو کسی کو تامل نہ ہوا اور انہوں نے بھی جانور ذبح کر کے ایک دوسرے کے بال کاٹ ڈالے۔ مسلمانوں کے مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچ جانے اور ان کی واپسی کی شق میں عورتوں کا ذکر نہیں تھا۔ گویا اگر کوئی مسلمان عورت بھاگ کر مدینہ آجاتی تو اہل ایمان اس کی واپسی کے پابند نہیں تھے ہاں اگر کوئی مشرکہ عورت مدینہ آجاتی تو اس کو کفار واپس لے سکتے تھے اللہ کا فرمان ہے کہ اگر مومن عورتیں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں تو ان کو واپس

نہ پلٹاؤ، البتہ کفار نے ان پر جو خرچ کیا ہے وہ ان کو لوٹا دو۔ اُدھر یہ حکم بھی تھا کہ کوئی مومن آدمی کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں نہ رکھے، اگر فی الوقت کوئی ایسی عورت ہے تو اسے جدا کر دیا جائے اس وقت حضرت عمرؓ کے نکاح میں دو مشرکہ عورتیں تھیں ہ آپ نے دونوں کو جدا کر دیا۔ پھر ایک کے ساتھ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان اور دوسری کے ساتھ صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔

جب حضور علیہ السلام حدیبیہ سے واپس مدینے آ گئے تو ایک صحابی ابو بصیرؓ کافروں کی قید سے نکل کر مدینے آئے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق اس شخص کو مکے واپس کرنا ضروری تھا چنانچہ کفار مکہ نے ایک آدمی بنی عامر سے اور ایک دوسرے شخص اخنس ابن شریق کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ ابو بصیرؓ کو واپس لائیں۔ ان کے مطالبہ پر حضور علیہ السلام نے ابو بصیرؓ کو واپس بھیج دیا۔ جب یہ تینوں آدمی ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے رک گئے ان میں سے ایک کے پاس تلوار تھی۔ ابو بصیرؓ نے کہا کہ تمہاری تلوار تو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے اس نے تلوار میان سے نکالی اور ابو بصیرؓ کو دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ واقعی بڑی کار آمد ہے اور کئی تجربات میں کامیاب ثابت ہو چکی ہے۔ ابو بصیرؓ نے دیکھنے کے لیے تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور پھر موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کافر کا سر قلم کر دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرا آدمی بھاگ کر مدینہ آ گیا۔ اس وقت حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اسے آتا دیکھ کر فرمایا کہ اس کی گھبراہٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کوئی خوفناک منظر دیکھا ہے۔ پھر وہ شخص قریب آ گیا اور حضور علیہ السلام کو بتایا کہ ابو بصیرؓ نے اس کے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور مجھے بھی اپنی جان کا خطرہ ہے لہٰذا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ کچھ دیر بعد ابو بصیرؓ بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کیا، اللہ کے رسول! آپ نے تو معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مجھے اِن لوگوں کے ساتھ واپس مکے بھیج دیا ہے، اب اس کے بعد جو کارروائی میں نے کی ہے وہ میرا ذاتی

فعل ہے، آپ تو اس میں ملوث نہیں ہیں۔ اب اللہ نے مجھے نجات دے دی ہے تو آپ مجھے پھر واپس نہ بھیجیں۔ حضور علیہ السلام نے ابوبصیرؓ کو ملامت کی اور فرمایا کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اگر ایک بھی آدمی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ لڑائی چھیڑنے سے باز نہیں آتا۔ ابوبصیرؓ نے جان لیا کہ حضور علیہ السلام معاہدہ حدیبیہ کے مطابق مجھے پھر کفار کے سپرد کر دیں گے اور وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ موقع پاکر ابوبصیرؓ وہاں سے کھسک گیا اور سمندر کے کنارے ایک جگہ جاکر ڈیرہ جمادیا۔ اب جو بھی مسلمان کافروں کی قید سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جاتا وہ بھاگ کر ساحل سمندر پر ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا کیونکہ اگر ان میں سے کوئی مدینہ جاتا تو معاہدہ کے مطابق اسے واپس جانا پڑتا تھا۔ اسی دوران میں ابوجندلؓ بھی کسی طرح کافروں کی قید سے آزاد ہو کر وہیں پہنچ گیا اب یہ دو تین سو آدمیوں کا ایک گروہ بن گیا اور انہوں نے مشرکوں کے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیتے۔ اگر کوئی مزاحمت کرتا تو قتل کر دیا جاتا اور مال اسباب لوٹ لیا جاتا۔ اس کارروائی سے قریش مکہ بڑے تنگ آئے آخر انہوں نے خود ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا اور اللہ اور قرابتداری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ ان ساحلی مسلمانوں کو مدینہ بلالیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی ہم ان کی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ اسی بات کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ۔ (الفتح - ۲۴) خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔ مشرکوں میں حمیتِ جاہلیہ اور بیوقوفی تھی۔ انہوں نے غلط باتیں کیں جن کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا تھا۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کی مکے واپسی کی شرط کو منسوخ کرانے پر مجبور ہو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ان کی اکڑ کا یہ حال تھا کہ معاہدہ کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہ نہ لکھنے دی۔ پھر جب حضور علیہ السلام نے فریق معاہدہ کے طور پر محمد الرسول اللہ لکھوایا تو کافروں نے یہ بھی نہ لکھنے

دیا بلکہ محمد ابن عبداللہ لکھوایا مگر اب مجبور ہو کر اپنی ہی شرائط کو منسوخ کرا رہے تھے۔

قریش مکہ کے طرفدار بنو بکر کے کچھ آدمیوں نے حضور علیہ السلام کے طرفدار بنی خزاعہ کے بعض آدمیوں کو بلا وجہ قتل کر دیا۔ وہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا کہ معاہدہ کی رو سے ہم آپ کے طرفدار ہیں مگر اب قریش کے حلیفوں نے بلا وجہ ہمارے آدمیوں کو قتل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قریش نے خود ہی اس معاہدے کو توڑ دیا ہے لہٰذا یہ سارا الزام انہی کے سر آتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد حضور علیہ السلام نے مکے پر چڑھائی کے لیے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ تورات کی پیشین گوئی تھی کہ فاران کی چوٹیوں سے دس ہزار قدسیوں کی جماعت جلوہ گر ہوگی۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوتی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دس ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی اور کفر کا غلبہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔

نوٹ:۔ مروان صحابی نہیں ہے وہ تابعین میں شمار ہوتا ہے صحابی صرف مسور بن مخرمہؓ ہیں ان کے ساتھ رواۃ نے مروان کو بھی روایت کرنے میں شریک کر لیا ہے گویا کہ یہ روایت ایک صحابی اور ایک تابعی سے ہے۔ واللہ اعلم۔

سواتی

دورانِ نماز انگلی کا اشارہ

عَنْ صُهَيْبٍ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ وَرَدَّ إِلَيَّ إِشَارَةً وَقَالَ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِشَارَةً بِإِصْبَعِهِ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

یہ صہیب بن سنانؓ کی روایت ہے جو کہ صحابی رسول ہیں۔ آپ کا تعلق نمر ابن قاسط کے قبیلے سے ہے اور صہیب رومی کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ تین صحابی یعنی سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی خاص طور پر مشہور ہیں۔ سلمان فارسیؓ پہلے مجوسی تھے پھر عیسائیت قبول کر لی۔ بعد میں ان کو اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ بلال حبشیؓ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اللہ نے ایمان سے سرفراز فرمایا تو صحابہ میں بہت بڑا درجہ حاصل کیا۔ جہاں تک صہیب رومیؓ کا تعلق ہے۔ یہ دراصل عربوں ہی کے قبیلے نمر ابن قاسط سے تعلق رکھتے تھے جو کہ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع صوبہ موصل (عراق) کے رہنے والے تھے ایک دفعہ رومیوں نے ان کے علاقہ پر حملہ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور بہت سے لوگوں کو غلام بنا کر ہمراہ لے گئے۔ حضرت صہیبؓ اس وقت چھوٹے بچے تھے اور رومیوں کے غلام بن کر ان کے علاقے میں چلے گئے۔ تاریخی روایات کے مطابق جب حضرت صہیبؓ سمجھدار ہو گئے تو رومیوں کے علاقے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ وہاں سے مکہ پہنچے اور بنی تیم کے قبیلہ کے ایک سردار عبداللہ ابن جدعان سے دوستانہ کر لیا اور وہیں قیام پذیر ہو گئے

ایک دوسری روایت میں اس طرح آتا ہے کہ حضرت صہیبؓ روم میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ بنی کلاب کے کسی آدمی نے انہیں خریدا اور مکے لا کر سردار مکہ کے ہاتھ

فروخت کر دیا۔ بعد میں اسے آزاد کر دیا گیا۔ سردار عبداللہ بڑا امیر آدمی تھا مگر زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گیا۔ حضرت صہیبؓ اپنے آقا کی زندگی تک وہیں رہے اس کے بعد اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ یہ وہی عبداللہ بن جدعان ہے جس کے متعلق ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ عبداللہ بڑا غریب پرور آدمی تھا اس کے پاس بھیڑ بکریاں، اونٹ اور بہت سامال تجارت تھا اور یہی اس زمانے میں دولت سمجھی جاتی تھی۔ کیا عبداللہ کی فیاضی اس کو آخرت میں کام دے گی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی سخاوت اور نیکی اسے کچھ کام نہ دے گی کیونکہ اس نے پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ حقیقت میں وہ معاد کا منکر تھا اور اس نے توحید کا بھی اقرار نہیں کیا۔

حضرت صہیب رومیؓ ابتدا میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ آپ سے پہلے صرف ۲۷ آدمی ایمان لا چکے تھے۔ اس وقت مشرکوں کی طرف سے اہل ایمان پر بڑے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ حضور علیہ السلام حضرت ارقمؓ کے وسیع مکان کے اندر اپنے صحابہ سمیت نماز ادا کرتے تھے کیونکہ سر عام نماز پڑھنے کی صورت میں کافروں کے حملہ آور ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت صہیبؓ اور عمار ابن یاسرؓ ایک ہی دن ایمان لاتے اتفاق سے یہ بھی غلام ہی تھے۔ انہوں نے بھی اسلام کی خاطر بہت تکالیف برداشت کیں اور پھر اللہ نے ان مظلومین کو درجے بھی بہت بلند عطا فرمائے۔ حضرت صہیب رومیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا چاہتے تھے مگر کافر آپ کو جانے نہیں دیتے تھے۔ بالآخر انہوں نے یہ شرط عائد کی کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ہے وہ ہمیں دے جاؤ اور چلے جاؤ۔ آپ نے یہ شرط قبول کر لی، مال و دولت کافروں کے حوالے کیا اور تہی دست ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ایسے ہی مخلص حضرات کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ (البقرۃ - ۲۰۷) بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں ہر چیز قربان کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ ان کو بڑے درجے عطا کریگا۔

صہیب رومیؓ وہ شخصیّت ہیں جن کے بارے میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے لَوْ لَمْ یَخْشَ اللّٰہَ لَمْ یَعْصِہٖ ۔ اگر صہیبؓ کو خدا کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ یہ بڑے پاک دل والے آدمی تھے۔ مدنی زندگی میں حضرت عمرؓ کے ساتھ اخوت قائم کر رکھی تھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ قاتلانہ حملے میں زخمی ہو گئے تو آپ نے وصیّت فرمائی کہ میرا جنازہ صہیب رومیؓ پڑھائے چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد تین دن تک صہیب رومیؓ قائم مقام خلیفہ بھی رہے۔ پھر جب چھ آدمیوں کی کمیٹی نے خلیفہ منتخب کر لیا تو آپ اس فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ تین دن تک نماز بھی حضرت صہیبؓ ہی پڑھاتے رہے آپ نے مدینہ منورہ میں نوّے سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے

الغرض ! حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا۔ حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے اپنی زبان مبارک سے جواب دینے کی بجائے انگلی سے اشارہ کر دیا۔ ابتدائے اسلام میں دوران نماز بھی سلام کا جواب دیا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہم حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تو نماز کے دوران سلام بھی کرتے تھے اور دیگر کلام بھی کر لیا کرتے تھے بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۔ (البقرۃ — ۲۳۸) اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے چپ چاپ کھڑے رہو تو نُہِیْنَا عَنِ السَّلَامِ وَالْکَلَامِ ۔ تو حضور علیہ السلام نے ہمیں نماز میں سلام کرنے اور کلام کرنے سے منع فرما دیا۔

بہر حال فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دوران نماز سلام کیا مگر آپ نے جواب دینے کی بجائے صرف انگلی سے اشارہ کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران اشارہ کرنے سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

⁂

حق مہر کی لازمی ادائیگی

قَالَ سَمِعْتُ صُهَيْبَ بْنَ سِنَانٍ يُحَدِّثُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ اَصْدَقَ امْرَاَةً صَدَاقًا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يُرِيْدُ اَدَاءَهُ اِلَيْهَا فَغَرَّهَا بِاللّٰهِ وَاسْتَحَلَّ فَرْجَهَا بِالْبَاطِلِ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ يَلْقَاهُ وَهُوَ زَانٍ ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

قبیلہ نمر ابن قاسط کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے صہیب بن سنانؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت کے لیے مہر مقرر کیا، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ شخص مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہیں رکھتا یعنی اس کے دل میں فتور ہے تو اس شخص نے اس عورت کو دھوکہ دیا اور اگر اس نے مقاربت کی ہے تو وہ بدکار شمار ہوگا۔ مہر کی ادائیگی کے متعلق خود اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ۔ (احزاب - ۳۳) ہم خوب جانتے ہیں جو ہم نے مردوں پر ان کی بیویوں کے متعلق فرض قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے لازم ہے اسی طرح مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ جو قرض لے کر واپس کرنے کی نیت نہیں رکھتا وہ چور ہے۔ اس شخص نے دھوکہ دے کر عورت کو اپنے لئے حلال قرار دیا ہے تو یہ شخص جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا تو یہ زانی شمار ہوگا۔

کثرت تعداد پر عدم اعتماد

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ اَيَّامَ حُنَيْنٍ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ يَفْعَلُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ۔ الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

مکہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا تو اس کے آٹھ دس دن بعد جنگ حنین واقع ہوئی۔ مدینے سے حضور علیہ السلام کے ساتھ دس ہزار صحابہ کی جماعت آئی تھی فتح مکہ کے موقع پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر جب آپ نے حنین کا قصد کیا تو نئے مسلمان ہونے والوں میں سے بھی بہت سے لوگ لشکر میں شامل ہو گئے اور اس طرح حنین کی طرف جانے والے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک جا پہنچی۔ اس نفری کے بارے میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر وہ صحیح اور صادق الایمان ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو مغلوب نہیں کر سکتی۔

حضرت صہیب رومیؓ بیان کرتے ہیں کہ حنین والے دن حضور علیہ السلام اپنی زبان مبارک سے آہستہ آہستہ کوئی کلام پڑھ رہے تھے اور آپ کے ہونٹ ہی حرکت کر رہے تھے مگر بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور اس سے قبل آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ پھر جب آپ سے حقیقت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں سے اللہ کے ایک نبی کو اپنی امت کی کثرت معلوم ہوئی تو ان کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے خیال کیا کہ ان کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی اللہ کو نبی کی یہ بات پسند نہ آئی تو اس نے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اللہ نے تمہارے اس استعجاب کو پسند نہیں کیا اور ابتلا آ رہی ہے۔ جو تین صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ یا تو دشمن غالب آ کر غلام بنا لے گا، یا بھوک مسلط کر دی جائے گی یا موت وارد ہو گی۔ پھر ان لوگوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ہمیں نہ تو دشمن کی غلامی پسند ہے اور نہ ہم بھوک کی موت مرنا چاہتے ہیں ہاں ہمیں طبعی موت پر کوئی شکوہ نہیں چنانچہ تین دن کے اندر اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں اپنی امت کی کثرت کی طرف دیکھتا ہوں تو

پروردگار سے یہی دعا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ بِكَ اُحَاوِلُ وَبِكَ اُصَوِّلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ اے اللہ! مجھے تیری مدد درکار ہے اور اسی کے ساتھ میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہوں مجھے اس کثرت پر کچھ اعتماد نہیں ہے بلکہ تیری ہی قوت اور رحمت پر بھروسہ ہے۔ فرمایا میں یہ الفاظ آہستہ آہستہ ادا کر رہا تھا تاکہ میری امت بھی کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت صہیب رومیؓ کی تین کمزوریاں

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِصُهَیْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَوْ لَا ثَلَاثُ خِصَالٍ فِیْكَ لَمْ یَكُنْ بَاْسٌ قَالَ وَمَا هُنَّ فَوَاللّٰهِ مَا نَرَاكَ تَعِیْبُ شَیْئًا...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۳)

حضرت زید بن اسلم روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت صہیب رومیؓ سے کہا کہ تین چیزیں تم میں نہ پائی جاتیں تو تم میں کوئی حرج نہیں تھا حضرت صہیبؓ نے دریافت کیا کہ وہ کونسی تین چیزیں ہیں؟ اللہ کی قسم آپ تو کسی پر عیب جوئی نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ اِكْتِنَاؤُكَ بِاَبِیْ یَحْیٰی وَلَیْسَ لَكَ وَلَدٌ تمہاری کنیت ابو یحیٰی ہے حالانکہ تمہارا کوئی بیٹا نہیں۔ پھر یہ کنیت کیسے موزوں ہوتی ہے؟

۲۔ وَادِّعَاؤُكَ اِلَی النَّمِرَةِ بْنِ قَاسِطٍ وَاَنْتَ رَجُلٌ اَلْكَنُ۔ تمہاری نسبت نمرہ بن قاسط قبیلے کی طرف ہے جو کہ فصیح و بلیغ عربی بولتا ہے مگر اس کے برخلاف تمہاری زبان میں لکنت ہے اور تم بعض اوقات عربی الفاظ پورے طریقے سے ادا نہیں کر پاتے۔

۳۔ وَلَا تُمْسِكُ الْمَالَ۔ آپ اپنے پاس مال و دولت بھی نہیں رکھتے۔

ان تینوں اعتراضات کا جواب حضرت صہیبؓ نے اس طرح دیا کہ:۔

۱۔ بلا شبہ میری کنیت ابو یحیٰی ہے حالانکہ میری کوئی اولاد نہیں، مگر سن لو کہ میری یہ کنیت حضور علیہ السلام کا عطیہ ہے آپ مجھے اسی نام سے پکارا کرتے تھے لہٰذا میں اس کنیت کو چھوڑنے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہوں حتیٰ کہ میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا ملوں آپ کا یہ کہنا اس عقیدہ کی بنا پر تھا کہ مرنے کے بعد ہر مومن کی ملاقات اللہ کے نبی سے ہوگی۔ نیز اس قسم کی بعض دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کی کنیت ابو تراب

بھی حضور علیہ السلام کی عطا کردہ تھی، اسی طرح آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ابو حمزہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ بھی نبی علیہ السلام نے مقرر کی تھی۔

۲۔ آپ نے میرے قبیلہ نمرہ ابن قاسط کی طرف منسوب ہونے پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس قبیلے کا فرد ہوں۔ یہ قبیلہ عراق میں موصل کے قریب آباد تھا۔ رومیوں نے حملہ کر کے ان کو مغلوب کر لیا اور اس غلبہ کے نتیجے میں میرے سمیت بہت سے لوگوں کو غلام بنا کر روم لے گئے۔ پھر جب آپ بڑے ہوتے تو بکتے بکاتے مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے پاس آگئے جنہوں نے آپ کو آزاد کر دیا۔ تو فرمایا کہ نمرہ ابن قاسط قبیلہ کی طرف میری نسبت غلط نہیں ہے۔ استدادِ زمانہ مجھے غلام بنا کر روم لے گیا اور پھر جب واپس آیا تو صہیب رومی کہلایا۔

باقی رہی یہ بات کہ میری زبان میں لکنت ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے مجھے میری رضاعت کے لیے ایلا کے مقام پر رکھا گیا۔ وہاں کی عورتوں کا دودھ پینے کی وجہ سے میری زبان میں یہ لکنت آگئی ہے جس کے لیے آپ میری ذات کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ میں مال کو روک کر نہیں رکھتا تو یہ بات بھی قابلِ اعتراض نہیں ہے کیونکہ میں اپنا پہلا مال تو مکہ میں کافروں کو دے کر مدینہ پہنچا اور یہاں پہنچ کر میں جو کچھ کماتا ہوں اسے بھلائی کے کاموں کے علاوہ کہیں خرچ نہیں کرتا، لہٰذا میں مال کو جمع نہیں رکھتا تو اس میں کون سی عجیب بات ہے۔ ہاں اگر میں مال کو برائی کے کاموں پر خرچ کروں تو پھر قابلِ اعتراض بات ہوگی۔

مومن کے لیے ہر معاملہ میں بہتری

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَ الْمُؤْمِنِ كُلَّهٗ خَيْرٌ لَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ...... الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

حضرت صہیب رومیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے معاملہ پر تعجب ہے کیونکہ یہ سارے کا سارا بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ چیز مومن کے سوا کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔ فرمایا اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ وَ كَانَ خَيْرًا لَّهٗ کہ اگر مومن کو کوئی راحت پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے کیونکہ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ نیز فرمایا۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ وَ كَانَ خَيْرًا لَّهٗ کہ اگر مومن آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ مصیبت بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے اور سب نے اللہ کے پاس ہی پہنچنا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اس کی تائید و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے اور صابروں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا کرتا ہے صبر بھی بہت بڑا اصول ہے اور یہ مومن کے حق میں بہر حال بہتر ہوتا ہے۔

جنّت میں دیدارِ الٰہی

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نُوْدُوْا يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ اِنَّ لَكُمْ مَوْعِدًا عِنْدَ اللّٰهِ لَمْ تَرَوْهُ فَقَالُوْا مَاهُوَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا وَتُزَحْزِحْنَا عَنِ النَّارِ وَتُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ ....الخ

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۳)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کو آواز دی جائے گی کہ اے اہل جنت تمہارے لیے اللہ کے ہاں ایک وعدہ ہے جس کو تم نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ جنت والوں کو تعجب ہوگا اور وہ عرض کریں گے پروردگار! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ قیامت والے دن ایمان والوں کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے اور کفار، مشرکین اور گنہگاروں کے چہرے سیاہ ہوں گے، ان پر سیاہی چڑھی ہوگی اور گرد و غبار چھایا ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج (آل عمران - ۱۰۶) اس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔ پھر جنتی یہ بھی عرض کریں گے پروردگار! کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل نہیں کیا؟ یہ ساری نعمتیں تو ہمیں مل چکیں اب تیرا کون سا وعدہ ہے جس کو ہم نے ابھی تک نہیں دیکھا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ پردے کو کھول دیا جائے گا فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ فَوَاللّٰهِ مَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْهُ۔ اللہ کی قسم جنتیوں کے نزدیک دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت محبوب نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط (یونس - ۲۶) جو لوگ

دنیا میں ایمان لاتے اور اعمال صالحہ انجام دیتے ان کو ان کا اچھا بدلہ ملے گا اور کچھ زیادہ بھی۔ اس اضافی چیز سے مراد دیدار الٰہی ہی ہے جو جنتیوں کو نصیب ہوگا اور ان کے اعمال کی جزا سے زائد انعام ہوگا۔

دیدار الٰہی ہر مومن کو اپنے اپنے درجے کے مطابق حاصل ہوگا۔ کسی کو صبح شام کسی کو ہفتہ وار اور کسی کو مزید وقفہ کے بعد۔ بہر حال جو خوشی اہلِ جنت کو اس انعام کی وجہ سے ہو گی، وہ کسی دوسری نعمت سے میسّر نہیں ہوگی۔

قربانی کے جانوروں کی درماندگی

عَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ وَكَانَ صَاحِبَ بُدْنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْ وَاغْمِسْ نَعْلَهُ بِدَمِهِ وَاضْرِبْ صَفْحَتَهُ وَخَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهُ فَلْيَأْكُلُوهُ۔

(مسند احمد طبع بیروت جلد ۴ صفحہ ۳۳۴)

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت ناجیہؓ کا تعلق قبیلہ خزاعہ کے ساتھ تھا۔ یہ صاحب حضور علیہ السلام کے ہدی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور انہیں مکہ معظمہ لے جاکر حرم شریف میں اللہ کی نیاز کے طور پر ذبح کیا کرتے تھے، ایک موقع پر سولہ یا بیس اونٹ مکہ لے جانے کے لیے تیار ہوتے تو حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضرت! اگر راستے میں ان میں سے کوئی اونٹ تھک کر آگے چلنے کے قابل نہ رہے یا ہلاک ہو جائے تو میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو ایسے درماندہ اونٹ کو وہیں نحر کر دو، اس کے پاؤں خون آلود کر دو اور اس کی گردن کے پہلوؤں پر بھی خون مل دو، اور پھر اس کو وہیں چھوڑ دو۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایسے اونٹ کا گوشت تم یا تمہارے ساتھی نہ کھائیں، مطلب یہ تھا کہ کوئی صاحبِ نصاب آدمی اس گوشت سے استفادہ حاصل نہ کرے بلکہ اسے عام لوگوں کے لیے چھوڑ دو تاکہ غریب غربا اس گوشت کو استعمال کر سکیں پاؤں اور گردن کو خون آلود کرنا اس بات کی علامت تھی کہ ہدی کے جانور کو ذبح کیا گیا اس کا گوشت صرف محتاج لوگ ہی کھائیں، کیونکہ یہ نذر کے حکم میں آجاتا ہے۔ پرانے زمانے میں دور و نزدیک کے لوگ ہدی کے جانور ساتھ لے کر روانہ ہوتے تھے کیونکہ پیدل

چلنا ہوتا تھا۔ اب دنیا بھر میں جدید ترین سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ جن میں ہدی کے جانوروں
کو نہیں لے جایا جاتا۔ اب موقع پر قربانی کے لیے جانور بکثرت مل جاتے ہیں، لہٰذا لوگ جانور
ساتھ نہیں لے جاتے بلکہ موقع پر خرید کر وہیں ذبح کر دیتے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

تکمیلِ انسانیت کا عالمی پروگرام اور امن چارٹر

107 صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے

خطبات

مفسرِ قرآن حضرۃ مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم

فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان

ادارہ نشر واشاعت جامعہ نصرۃ العلوم کی مطبوعات

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
۱	قرآن مجید (مترجم)	۲۶	خطبات صدارت
۲	دمغ الباطل (فارسی)	۲۷	دلیل المشرکین
۳	مقالات سواتی	۲۸	فیوضات حسینی
۴	مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے علوم وافکار	۲۹	تکمیل الاذہان
۵	مفسر قرآن نمبر	۳۰	تفسیر آیت النور
۶	شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان	۳۱	مجموعہ رسائل (حصہ دوئم)
۷	الطاف القدس	۳۲	نور و بشر
۸	مجموعہ رسائل (حصہ اول)	۳۳	سعدیات فارسی
۹	مباحث کتاب الایمان مسلم شریف	۳۴	کریما سعدی (مترجم)
۱۰	احکام حج	۳۵	عقیدۃ الطحاوی
۱۱	نماز مسنون خورد	۳۶	احکام عمرہ
۱۲	تشریحات سواتی	۳۷	میزان البلاغہ
۱۳	الفقہ الاکبر	۳۸	فیض المحدثین
۱۴	اصطلاحات تیسیر المنطق	۳۹	امام اعظمؒ عزم واستقلال، تابعیت اور صحابہؓ سے روایات
۱۵	حجۃ الاسلام (عربی)	۴۰	بیس تراویح
۱۶	نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت	۴۱	امام محمد اور ان کی کتب کا اجمالی تعارف
۱۷	نام نہاد اہلحدیث۔	۴۲	صرف ولی اللہی
۱۸	امام زہریؒ	۴۳	مختصر ترین اور جامع اذکار
۱۹	حی علی الفلاح	۴۴	احکام قربانی
۲۰	دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم	۴۵	درس الحدیث (مکمل 4 جلد)
۲۱	احکام رمضان	۴۶	عون الخبیر شرح الفوز الکبیر
۲۲	اجوبہ اربعین	۴۷	فیض الحدیث
۲۳	مبادی تاریخ الفلسفہ (عربی)	۴۸	درس مشکوٰۃ
۲۴	حاصل مطالعہ	۴۹	مفسر قرآن کی تفسیر اہل علم کے نظر میں
۲۵	نماز مسنون کلاں	۵۰	خطبہ حجۃ الوداع تکمیل انسانیت کا عالمی پروگرام اور امن کا چارٹر
		۵۱	فیض القرآن